علامہ انور شاہ کشمیری

اور ان کی

علمی خدمات

مولانا تاج الدین مدنی

شعبہ نشر واشاعت دار العلوم امینیہ تخت نصرتی، کرک (پاکستان)

علامہ انور شاہ کشمیری

اور ان کی

علمی خدمات

*

مولانا تاج الدین مدنی

○

شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم امینیہ تخت نصرتی، کرک (پاکستان)

دوشنبه ۵ ربیع الثانی سنه ۱۳۱۵ھ
از دیوبند خانقاه

برادران عزیز مولوی عبد الله شاه صاحب و سلیمان شاه صاحب و سیف الله شاه صاحب دام عزهم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته تار مرسله قادر شاه صاحب واپس از ڈابیل
روز چهارشنبه ۵ ربیع الثانی در دیوبند رسید الحمد لله حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه مبارکا علیه
کما یحب ربنا و یرضی یک هفته پیش از پیشی والدهٔ مرحومه را بخواب دیده بودم
می انگارم که روحانیت اوشان را در انجاح این مرام دخل است لازم آنکه هردو
برادران سلیمان شاه و سیف الله شاه گوسفنده ذبح کرده چند کس را جمع کرده
ختم قرآن مجید و ختم کلمهٔ تهلیل برای مرحومه کرده باشند نه که تغافل و تساهل ورزند
و ختم حضرت میر سید احمد کرمانی رحمة الله علیه نیز خوانده باشند
برای مولوی عبد الله شاه صاحب همچنان زیر نظر است لیکن اگر مصالح اوشان در ورکو
بهتر اند آنهم چندان نامناسب نیست درین حال تعمیر که اوشان اراده دارند شروع
کنند و همان خانه را نیز سقف دهانند و خلاف قانون هیچگونه نباید بود
مسجد دوده وان هنوز ناتمام است افسوس است که توجه گذاشتند
خطاشان از ڈابیل واپس شده هنوز نرسیده است
هنوز بجناب برای فرید اراضی کشمیر تنبیه کرده اند پس بعد قطعه ممکن نه لاجرم
برودی هرچه ممکن باشد ارادهٔ مراجع کرده از آینده بود فورا مطلع کنند که احقر حسب آن
عمل کنند
بخدمت جناب والد و همه اقارب تحیة الاسلام بخدمت مولوی عبد الله شاه عرض خصوصی

عکس تحریر انور شاه کشمیری

نام کتاب : ——— علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی خدمات
مصنف : ——— مولانا تاج الدین مدنی ایم اے
ناشر : ——— شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم امینیہ تخت نصرتی کرک
کتابت : ——— کمال خان
طبع اول : ——— صفر المظفر ۱۴۱۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۱ء
تعداد : ——— ایک ہزار
قیمت : ——— ۳۵/- روپے

ملنے کے پتے :

۱- دار العلوم امینیہ تخت نصرتی کرک (صوبہ سرحد)
۲- خطیب جامع مسجد مغیرہ جی-۱۰/۳، اسلام آباد

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

س

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

لاکھ لاکھ شکریہ اس ذاتِ برتر کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم سے نوازا، اور ہزاروں درود وسلام بنی ہاشمی پر جس کی اُمت میں نجوم الارض کا سلسلہ باقی رہا۔ زیرِ نظر کتاب جس میں فقید النظر ترجمان الحدیث حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات اور علمی کمالات کا پُر مغز تبصرہ موجود ہے، طلباً علماءِ دین متین کے لئے روشنی کی کرن ہے۔

مؤلف کتاب حضرت مولانا تاج الدین صاحب تختِ نصرتی کے علمی خاندان چچاخیل کے درخشندہ چشم وچراغ ہیں۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کے ممتاز فاضل اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم اے اصول الدین کی ڈگری حاصل کی ہے۔ آج کل اسلام آباد میں دینی وعلمی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ ان کے دینی وتحقیقی مضامین اخبارات و رسائل مفید عام ہیں۔ انہوں نے ہمت کر کے انتہائی محنت کے ساتھ اس علمی ذخیرہ کی عرق ریزی کی ہے جو اساتذۂ کرام وارباب علم ودانش کے تقریظات سے بھی آراستہ ہے۔

ادارہ دارالعلوم امینیہ تختِ نصرتی کے ابتدائی مخلص معاونین میں سے ہیں۔ ادارہ دارالعلوم امینیہ اس علمی جواہر پارے کی سعادت طباعت پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہے کہ تدریسی وتبلیغی خدمت کے ساتھ تالیفی خدمت کا بھی حصہ نصیب ہوا اور ساتھ صاحبِ خیر ریاض صاحب کا ممنون ہے۔

دارالعلوم امینیہ یومِ سنگِ بنیاد سے تاحال بفضل اللہ ترقی کے مراحل میں ہے اور دینی خدمت کے لحاظ سے ضلع کرک میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید شرفِ قبولیت سے نوازے امین یارب العالمین ۔

احقر حافظ ابن امین عفی عنہ
خادم دارالعلوم امینیہ تحت نصرتی ضلع کرک، پاکستان

غرضِ تالیف

دارالعلوم دیوبند کے طالب علم اور اساتذہ میں جس امتیاز خاص نے "انور شاہ کشمیری" کو عالمِ اسلام کا چمکتا ہوا ستارہ بنا کر پیش کیا وہ آپؒ کی انتھک محنت، بے نظیر شوقِ مطالعہ، خداداد قوتِ حافظہ اور بے پناہ ملکہ استحضار کی برکت تھی جس کے بعض گوشوں سے نقاب سرکانے کی کوشش اس کتاب کی تحریر کا مقصد اوّلین ہے

"مولانا محمد انور شاہ مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم، ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر سطح ساکن ہو، لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور۔ وہ وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علومِ حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علومِ ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند، زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنّت میں اعلیٰ مقام عطا کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے "قال اللہ" "قال الرسولؐ" کا نعرہ بلند کیا۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے زیرِ مطالعہ نہ رہا ہو۔ دین و دانش کا یہ مہرِ انور ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

(سید سلیمان ندوی

ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ

اسلام کے ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔"

(مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ)

"میں حضرت انور شاہؒ کے یگانہ کمالات اور ان کے تبحر علمی، محیر العقول حافظہ اور فن حدیث میں ان کے علو مرتبہ، نیز ان کی حیرت انگیز وسعت نظر سے نہ صرف واقف بلکہ اس کا معتقد ہوں"!

(فخر ملت اسلامیہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم)

"ہر چند مرحوم ہر فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن حدیث اور فقہ میں بلاشبہ تمام دنیائے اسلام میں کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا۔"

(شارح کلام اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

تقریظ جناب استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اکابر امت کا تذکار و سوانح کئی اعتبار سے لائق اعتنا ہے۔ اولاً یہ نزول رحمت کا موجب ہے، جیسا کہ حضرت امام سفیان ثوریؒ سے منقول ہے، ثانیاً یہ ان اکابر کے خلود ذکر کا باعث ہے، جو آیت شریفہ "واجعلنی لسان صدق فی الاخرین" اور حدیث نبوی "اذکروا محاسن موتاکم" سے مرغوب و مندوب ہے۔ ثالثاً اس میں اکابر کی اقتدا کی ترغیب و تحریض ہے، جو واجعلنا للمتقین اماماً سے مطلوب و محبوب ہے۔

ان اکابر میں ایک عبقری شخصیت حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ، (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی تھی۔ بحمد اللہ حضرت شاہ صاحبؒ پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہمارے شیخ حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی کتاب نفحۃ العنبر عن ہدی الشیخ الانور" تو عربی ادب کا شاہکار ہے، علاوہ ازیں "حیات انور" اور "نقش دوام" بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات کا مرقع ہیں۔

زیر نظر کتاب "علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی خدمات" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں فاضل مصنف نے مستند مآخذ کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات و علمی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ حرفاً حرفاً دیکھنے کی فرصت نہیں، جستہ جستہ مقامات سے اس کے دیکھنے کی نوبت آئی، امید ہے کہ بقیہ مضامین بھی صحیح ہوں گے۔

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جناب مؤلف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں ان کو متمتع فرمائیں۔

وللہ الحمد اولاً و آخراً

محمد یوسف عفا اللہ عنہٗ

تقریظ جناب محمد قاسم مظہر ڈائریکٹر جنرل سنٹرل بورڈ آف ایجوکیشن اسلام آباد

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا تاج الدین مدنی کا مقالہ "علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی خدمات" پڑھا۔
آج کل ہم اس دور سے گزر رہے ہیں کہ نوآبادیاتی دور کے وضع کردہ تعلیمی نصاب کے اثرات مکمل طور سے ظاہر ہو چکے ہیں۔ دین کے متعلق قوم کے اذہان میں شکوک و شبہات اس حد تک پیدا کیے گئے ہیں کہ کوئی تعلیم یافتہ شخص اپنے اکابر کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے تصور سے بھی گریزاں ہے۔ چنانچہ اس وقت خصوصی طور سے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ عام فہم قومی زبان میں ایسے اکابر کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں جنہوں نے دینی خدمات کے ذریعے اسلامی تشخص اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی خدمات سے قوم کی معاشرتی حالت میں جو تبدیلی پیدا کی جا چکی ہے اس کی وضاحت سے نشاندہی کی جائے۔ ایسے ہی مواد کے ذریعے ہم اس قابل ہوں گے کہ نظریۂ پاکستان کی اصل بنیاد دین اسلام کو تعلیم یافتہ افراد کے سامنے ایک متحرک اور ابدی حیثیت سے پیش کر سکیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دین کی جو خدمات کی ہیں اور مستقبل کی سیاست اور معاشرت کا جو تصور بالواسطہ اپنی تقاریر اور تحریروں میں پیش کیا ہے، اس کا جامع ذکر زیر نظر مقالہ میں بہترین طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ خصوصی طور سے

قادیانیت کے خلاف آپ نے جو تحریک چلائی اس کا ذکر اس مقالے میں قاری کو اس فتنے کے مضر اثرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تالیفات کا ذکر بھی اس مقالے میں موجود ہے جو قاری کو ان سے بلا واسطہ استفادہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ اس مقالے کو صحیح دینی سمت میں ایک اہم اقدام قرار دیا جاسکتا ہے اور مولانا تاج الدین مدنی صاحب کی یہ کاوش قابلِ تحسین ہے۔

محمد قاسم مظہر
ڈائریکٹر جنرل
سنٹرل بورڈ آف ایجوکیشن
حکومتِ پاکستان، وزارتِ تعلیم
سیکٹر ایچ - ۹ - اسلام آباد۔

تقریظ جناب حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتکم العالیہ

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد پس فقیر نے مولانا تاج الدین صاحب کا مقالہ اجمالی طور پر مطالعہ کیا۔ یہ مقالہ مؤلف موصوف نے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی حیات طیبہ پر لکھا ہے ماشاء اللہ چشم بد دور موضوع سے متعلق مؤلف نے گرانقدر مواد جمع کئے ہیں میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مقالہ کو خواص و عوام سب کے لئے مفید بنائیں اور مصنف موصوف کے لئے باعث رفع درجات بنائیں ۔ آمین

دستخط حضرت العلامہ مولانا مفتی (محمد فرید) صاحب
دامت برکاتہم، شیخ الحدیث و صدر دار الافتاء
دار العلوم حقانیہ ، اکوڑہ خٹک
ضلع پشاور

سیف اللہ حقانی مفتی
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
ضلع پشاور ۔

مُقدمہ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدظلہ العالی رکن قومی اسمبلی و شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم، پشاور صدر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ، نبینا و مولانا محمد بن عبداللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ،

اما بعد:-

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس امت مرحومہ کو ان گنت نعمتوں اور خصوصی انعامات اور کمالات سے نوازا ہے، جن میں "قرآن مجید" جیسی عظیم آسمانی کتاب، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سرِفہرست ہیں، جن کی نظیر اور مثال پچھلی تمام اُمتوں میں نہیں ہیں۔ "قرآن مجید" اپنی صورت اور ہیئت اور لفظ و معنی کے ساتھ محفوظ ہے اور رہے گا اور اس طرح حضور پاک کی حیاتِ طیبہ اور سیرۃ مطہرہ بھی پوری من وعن کے ساتھ محفوظ ہے اور رہے گی، اور ان دونوں نعمتوں کی حفاظت، خدمت اور ان سے علوم اور اسرارِ دین معلوم کرنا، اور ان کے اصول و فروع اور جملہ دیگر متعلقات کے بارے میں استنباط اور استخراج کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے علماء کرام میں سے ایسی جماعت کا انتخاب فرمایا ہے جن کی نظیر اور مثال پچھلی امتوں میں نہیں گزری۔

چودھویں صدی ہجری میں برصغیر پاک وہند میں بھی، ایسے نابغۂ روزگار ظاہر ہوگئے جو اپنے علمی، عملی اور جامعیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ ان مشہور ہستیوں میں محدث الھند الاکبر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی ذات گرامی بھی ہے، جو علوم نبوت کے وارث، اور اپنی ذات میں ایک گشتی کتب خانہ اور اپنی جامع شخصیت میں بے مثال ہے۔ بزرگوں کے فضائل اور علوم و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنا اور کہنا بھی بزرگوں کا کام ہوتا ہے۔

مصرع: "إنما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ"

یعنی اصحاب فضل و کمال کو اصحاب فضل ہی اچھی طرح جانتے ہیں۔ عام لوگ ان کی کمالات کیا سمجھیں گے، مگر اپنے اساتذۂ کرام سے جو کچھ سنا ہے یا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض تالیفات یا آپ کے املاء اور درس کی تقریرات اور خطبات سے جو بقدر اپنی طاقت واستعداد کے معلوم ہوا ہے، تو ان کی روشنی میں یہ ضرور لکھ سکتا ہوں، کہ آپ ایسے علوم و فنون کے جامع گزرے ہیں جن کا ایک ہی ذات میں جمع ہونا بہت بڑا مشکل ہے، اگر ایک طرف آپ علوم حدیث کے امام زمانہ تھے، تو دوسری طرف فلسفہ اور منطق اور دیگر معقولات کے ایک ماہر اور نقاد بھی تھے۔ عربی لغت کے جملہ فنون میں مہارت کے ساتھ تفسیر و علم کلام اور قرآن و حدیث کی مشکلات اور قدیم و جدید نظریات سے پوری طرح واقف رہے۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسی بزرگ ہستیوں میں بھی ایک جانب معقولات کے غلبہ کی وجہ سے دوسری جانب منقولات کا پلہ ضعیف رہا، مگر شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی میں ان دونوں جانب کی پوری مہارت اور امامت رہی۔

"ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء"

آپ کی تصنیفات "مشکلات القرآن" اکفار الملحدین، ضرب الخاتم اور دروس کے مجموعے فیض الباری، انوار الباری، معارف السنن اور مسودات اور تعلیقات وغیرہ، ان مختلف علوم وفنون کی جامعیت کی پوری دلیل اور شاہد عدل ہیں۔

آپ کے حلقۂ تلمذ میں حضرت مولانا حکیم الاسلام، قاری محمد طیب، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، فیلسوف الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی، متکلم و محدث زمانہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مفسر قرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی، مرد مجاہد و شہسوار میدانِ سیاست حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور اس قسم کے دوسرے بزرگانِ دین اور علماء اکابرین اور سلف صالحین کے علم وعمل کے صحیح جانشین گزرے ہیں، اور آپ کے علوم و فنون اور کلمات طیبات اور درس وتدریس کے صحیح نمائندے اور ترجمان ہیں اور آپ کے معارف اور علمی آراء اور تحقیقات اور خصوصی نکات وافکار کے وارث ثابت ہوتے ہیں۔

ع اولئك آبائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہی تو ہمارے مشائخ و اکابرین ہیں جن پر ہم بجا فخر کر سکتے ہیں۔

ہم نے تو امام غزالیؒ، رازیؒ، ابن الہمامؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ بدر الدین عینیؒ، ابن کثیرؒ جیسے متکلمین، فقہاء اور محدثین کرام اور مورخ وغیرہ نہیں دیکھے، مگر حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی اور ہمارے یہ اکابرین، اور دار العلوم دیوبند سے منسلک دوسرے علماء کرام کی علمی تحقیقات اور علوم الہیہ کے اسرار اور نکات اور امتہ مرحومہ کے لئے ان کے

مسائی جمیلہ اور دیگر مسائل پڑھ کر اور سن کر اور اپنی استعداد و فہم کے مطابق سمجھ کر پچھلے بزرگوں کے نہ دیکھنے اور شرفِ صحبت و زیارت نصیب نہ ہو جانے پر اتنا افسوس نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو اخلاص، للّٰہیت، جامعیت اور حق پرستی اور امت کی خیر خواہی اور علمِ نبوت کی وراثت اور اتباع صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی تقلید جیسی عظیم خصوصیات سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔

زیرِ نظر کتاب علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان کی علمی خدمات پر ہمارے برادرِ محترم اور فاضل مکرم مولانا تاج الدین صاحب مدظلہم العالی کی ایک مختصر مگر جامع تالیف ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض اہم معلومات جمع کئے گئے ہیں، جو آپ کے حلقۂ شاگردان اور متعلقین کے لئے خصوصاً اور دیگر جملہ علماء کرام اور مسلمانوں کے لئے عموماً باعثِ خیر و برکت اور قابلِ تقلید مثال اور نمونے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس گراں قدر خدمت کو قبول فرما کر آپ کے لئے ذریعۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت اور باقیات صالحات بنا دے اور ہمارے جیسے بے بضاعتوں کے لئے موجب خیر و برکت بنا دے۔ آمین ثم آمین۔

محمد حسن جان

خادم علوم حدیث جامعہ امداد العلوم پشاور صدر

حال: ممبر قومی اسمبلی، پاکستان

تحریر ۱۵ر شوال ۱۴۱۱ھ

مطابق: ۳۰ر اپریل ۱۹۹۱ء

کلمۂ تشکر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و
خاتم النبیین وآلہ واصحابہ وسائر عباد اللّٰہ الصالحین الیٰ یوم الدین۔

امابعد:۔ حضرت علامہ کشمیریؒ کی زندگی وخدمات پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں
جو برصغیر کے بلند پایہ اہل علم کے قلم سے نکلی ہیں۔ میرے لئے ان کی زندگی کے سبق آموز واقعات
ملفوظات وخدمات پر قلم اٹھانا، میرے علم وتجربے کی محدودیت اور موضوع کی وسعت
ضخامت کے لحاظ سے ایک جسارت ہی تصور ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس
موضوع پر لکھنے کی ہمت ہوتی، جس پر میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب مدظلہ العالیٰ کا تہہ دل سے
مشکور ہوں، جنہوں نے اپنی تمام مصروفیات ترک کرکے اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرماکر
کتاب کی قدر ومنزلت میں اضافہ کیا اور ایک طالب علم کی حقیر سعی کو اپنے مقدمے سے
رونق بخشی۔

اسی طرح میں حضرۃ العلامہ محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا
مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی اور ایجوکیشن ونگ اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل
جناب قاسم مظہر صاحب کا نہایت مشکور ہوں، جنھوں نے اپنی بلند پایہ تقاریظ سے
حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت مولانا حافظ ابن آمین مہتمم دارالعلوم امینیہ تخت نصرتی کرک، جناب
ریاض نے کتابت وطباعت کی سرپرستی فرماکر مجھ جیسے ناچیز کی بے حد حوصلہ افزائی

فرمائی، جس کا میں نہایت مشکور ہوں۔

ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کی تالیف کے دوران موقع بموقع میری طرف دستِ تعاون بڑھایا۔

میری عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے اس تعاون کو قبول فرما کر نجات اخروی کا سبب بنائے۔ آمین۔

اس کتاب کے بارے میں تنقید وتجاویز کا نہایت فراخدلی سے خیر مقدم کیا جائے گا تاکہ کتاب کی آئندہ ایڈیشن کو مفید تر بنایا جا سکے۔

آخر میں ربِ ذوالجلال سے دُعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس کتاب سے مُستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب کے لئے نجات اخروی کا سبب بنائے۔ آمین ثم آمین۔

(مؤلف)

حضرت شاہ صاحبؒ کے زندگی کا اجمالی تذکرہ

ولادت باسعادت	۲۷ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ
ہزارہ کا سفر	۱۳۰۵ھ
ہزارہ سے واپسی	۱۳۰۸ھ
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ	۱۳۰۹ھ
دارالعلوم دیوبند سے فراغت	۱۳۱۳ھ
مدرسہ عبدالرب دہلی میں تدریس	۱۳۱۴ھ
مدرسہ امینیہ دہلی میں تدریس	۱۳۱۵ھ تا ۱۳۲۰ھ
کشمیر میں اقامت	۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۳ھ
حرمین شریفین کا سفر	۱۳۲۳ھ
بارہ مولا (کشمیر) میں مدرسہ فیض عام کی تاسیس	۱۳۲۴ھ
تدریسی خدمات	۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۷ھ
دارالعلوم دیوبند میں تدریس	۱۳۲۷ھ تا ۱۳۳۳ھ
دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس ہونے کی مدت	۱۳۳۳ھ تا ۱۳۴۵ھ
دارالعلوم سے استعفیٰ	۱۳۴۵ھ
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس	۱۳۴۵ھ تا ۱۳۵۱ھ
مقدمہ بہاولپور میں پیشی	۱۳۵۱ھ
وفات	۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ
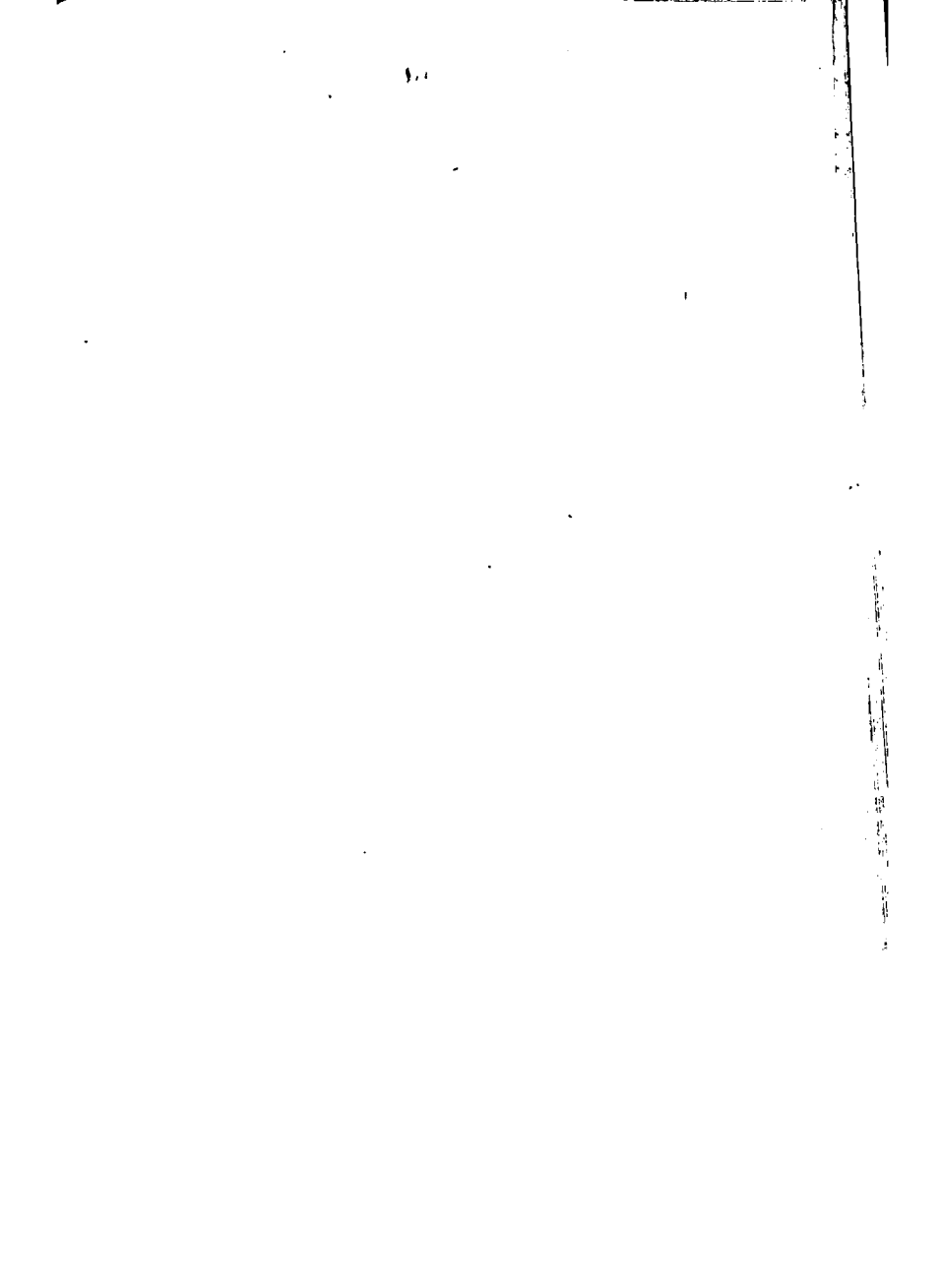
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیات و تعلیم

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت کشمیر کے ایک گاؤں "دودان" کے ایک علمی گھرانے میں حضرت مولانا سید معظم شاہ کے ہاں ۲۷ شوال المعظم ۱۲۹۲ھ بروز ہفتہ ہوئی، جو جنتِ ارضی، خطۂ کشمیر کی وادی "لولاب" میں واقع ایک پُرفضا بستی تھی۔ آپ کے والد مرحوم وادی کشمیر کے ایک جیّد عالم دین اور سلسلہ "سہروردیہ" کے شیخ طریقت تھے۔ سینکڑوں طلبا نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور ہزاروں کشمیری مسلمانوں نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کر کے اصلاحِ احوال کا ساماں کیا۔ آپ کا نسب مسعود النروری[1] تک پہنچتا ہے۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تربیت والدہ صاحبہ کے زہد و تقویٰ سے بھری ہوئی گود میں پانے کے بعد تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بعد میں عربی، صرف، نحو اور فقہ و اصول فقہ کی تعلیم مولانا غلام محمد رسول پورہ سے حاصل کی۔ دو سال کے مختصر عرصہ میں ان علوم کی تکمیل کر لی۔

---

[1] مسعود النروری مشائخ کشمیر میں ایک مشہور بزرگ تھے۔

ہزارہ کی درسگاہیں اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت سیّد احمد شہید بریلویؒ نے اپنی شہادت کے واقعہ سے کچھ پہلے ۱۸۲۷ء میں صوبہ سرحد کے آزاد علاقہ میں اپنی تحریک کے مراکز قائم کر کے جو انقلابی کام شروع کیا تھا اس کا اصل مقصد اس پسماندہ علاقے میں دینی تعلیم اور روحانی و اخلاقی تربیت کو فروغ دینے کا تھا۔ کافروں اور انگریزوں کے ساتھ جہاد بالسّیف اس کا ایک حصّہ تھا۔ حضرت شہیدؒ کی تحریک کے آخری دور کا ہزارہ کے تمام شہروں پر گہرا اثر ہوا۔ یہاں کے ہزارہا لوگ آپ کے مجاہدین کے ساتھ جا کر شامل ہوتے رہے۔

معرکۂ بالاکوٹ

جب ۶ مئی ۱۸۳۱ء، ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی لڑائی میں حضرت سیّد احمدؒ، مولانا شاہ اسماعیلؒ اور ملّت کے دیگر بڑے بڑے رہنماؤں کی شہادت مقدرہ کا واقعہ پیش آیا تو جہاد بالسیف کے کام کو دل ہلا دینے والا صدمہ پہنچا، لیکن مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ اور دوسرے درجنوں علماء کی سرپرستی میں جو درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اور ہر طرف قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے لئے ہر بڑے قصبے میں درسگاہیں قائم ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ نہ صرف جاری رہا بلکہ اس میں دوگنا اضافہ ہوا۔

اسی وجہ سے ضلع ہزارہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف سے چودھویں صدی ہجری کے نصف تک دینی مدارس کا ایک مشہور مرکز رہا۔ ضلع ہزارہ کی تحصیلیں اور بستیاں
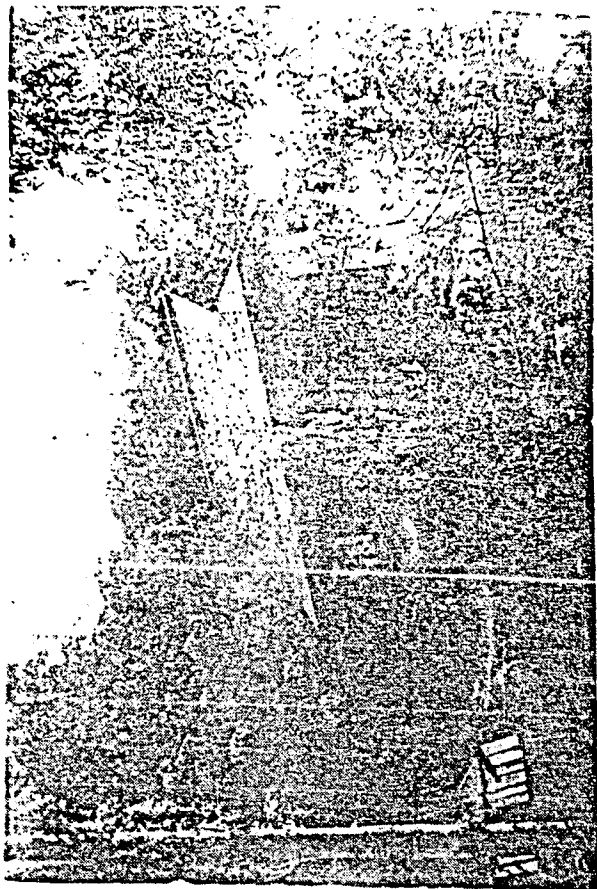
وہ مادرگزر مسجد جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مسجد کے مشرق میں مولینا معظم شاہ صاحبؒ ہمد آپکے دیگر متعلقین کا مزار ہے۔

علمِ دین کی درسگاہوں اور علوم و فنون کے ماہر علماء پر فخر کرتی تھیں۔ ہر ایک درسگاہ کی اپنی اپنی خصوصیات تھیں۔ کہیں صرف و نحو کا چرچا تھا اور کہیں منطق اور فلسفہ کا، کسی جگہ فقہ اور اصولِ فقہ کی شہرت تھی اور کسی جگہ تفسیر و حدیث کی۔ چونکہ مانسہرہ (ہزارہ) کی سرحدیں کشمیر کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس لئے کشمیر کے طلباء ان درسگاہوں سے اپنی علمی پیاس بجھانے میں پیش پیش تھے اور چونکہ یہ درسگاہیں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاح کی پیداوار تھیں۔ اس لئے ان کا ماحول بے حد متقیانہ تھا۔ مدارس دینیہ کی کثرت کی وجہ سے ہزارہ "ثانی بخارا" کے لقب سے معروف تھا۔

حصولِ علم کے لئے سفر ہزارہ (۱۳۰۵ھ)

اس زمانہ میں وادیٔ کشمیر غلامی کے مارے اپنی باقاعدہ دینی درسگاہوں سے قریب قریب خالی ہو چکی تھی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی بے پناہ قربانیوں کی بدولت ہزارہ میں علم و دانش کے چشمے جاری تھے اس ضلع کی علمی درسگاہیں اس زمانہ میں اہلِ کشمیر کے لئے کشش کا موجب تھیں، اسی وجہ سے مولانا معظم شاہؒ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کو ہزارہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ابتدائی علم کی تکمیل کے بعد ۱۳۰۵ھ میں کشمیر کے مرغزاروں کو خیرباد کہہ کر سرزمین ہزارہ کا قصد کیا اور تین سال تک یہاں کے ماہر و حاذق اساتذہ کی شفقت سے بہت سے علمی مدارج طے کر لئے اور ۱۳۰۸ھ کے آخر میں یہاں سے سفر کا سامان کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں تکمیل اور فراغت (۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۴ھ)

حضرت شاہ صاحبؒ نے مدارس ہزارہ میں اکثر علوم و فنون میں مدارج عالیہ حاصل کر لینے کے باوجود "ازھر الھند" دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا تاکہ علمی پیاس کو مزید تسکین مل سکے۔ دیوبند پہنچنے کے اسباب ظاہرہ و باطنیہ میں والد محترم کی ہمت افزائی، اپنا شوق، تکمیل علوم اور سب سے بڑھ کر مشیّت ایزدی جیسے عناصر شامل تھے۔ ۱۳۱۰ھ کے تعلیمی سال میں آپ نے داخلہ حاصل کر لیا۔

حضرت شیخ الھند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کی صدارت تدریس کی وجہ سے یہ دور دارالعلوم کی تاریخ کا بے حد مقبولیت اور جامعیت کا دور تھا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کا چرچا نہ صرف اطراف ہند بلکہ اطرافِ عالم میں عام تھا اور علمی دنیا میں اس ادارے کی عظمت مسلّم تھی۔ محدثین و فقہاء، متکلمین و مفسرین اور معقولات و منقولات کی جامع شخصیات کا یہ ایسا سمندر بے پایاں تھا جس کی مثال پورے عالمِ اسلام میں مفقود تھی۔

جس زمانہ میں آپ دارالعلوم آتے مدرسہ کا مطبخ تک نہ تھا۔ اس لئے دارالعلوم سے قریب شہر کی ایک مسجد "مسجد قاضی" میں چند روز قیام کیا۔ کھانے پینے کے مصارف نہیں تھے چنانچہ کچھ دن فاقہ کرنا پڑا۔ آخر ایک دن مسجد کے متولی قاضی احمد حسین مرحوم نے آپ کے چہرے پر فاقہ، شرافت اور غربت کے نمایاں آثار دیکھے تو پوچھا، آپ کس غرض سے یہاں آئے ہیں۔ آپ نے اپنا مدّعا بیان کیا تو سب سے پہلے اس نے آپ کو کھانا کھلایا۔ پھر حضرت شیخ الہند کے پاس آپ کو لے کر حاضر ہوئے اور یوں آپ کا تعلیمی سلسلہ دارالعلوم میں شروع ہوا۔ اپنے اساتذہ میں سے آپ کا تعلق سب سے
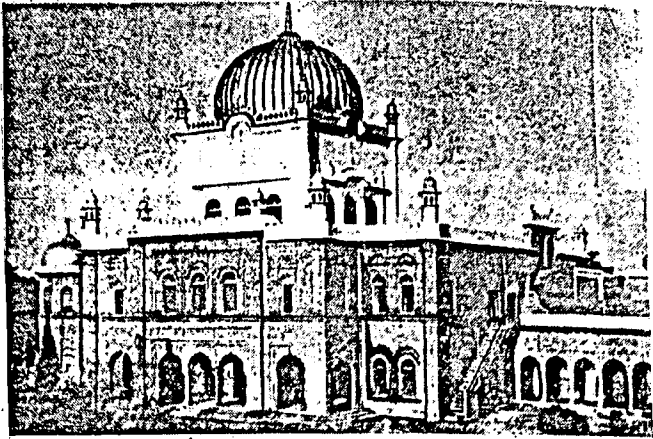
دارالتفسیر۔ دارالعلوم دیوبند
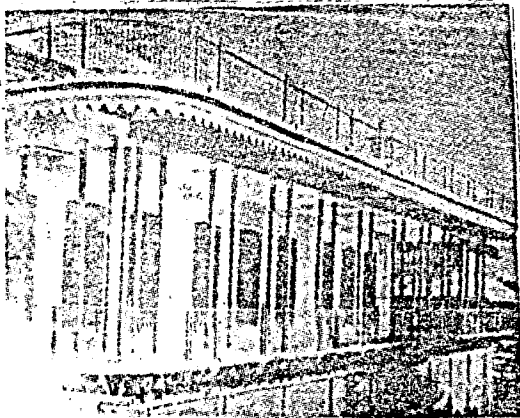
دارالحدیث، دارالعلوم دیوبند

زیادہ اپنے مشفق استاد حضرت شیخ الہند سے تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے پایاں قوۃ علمیہ کے مالک تھے۔ آپ نے تقریباً چار سال میں مختلف علوم حاصل کرکے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۱۳ھ میں فراغت حاصل کی [1]

آپ مطالعہ میں بہت دلچسپی رکھتے تھے اس لئے ہر وقت مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے "عمدة القاري للحافظ العيني" اور "فتح الباري للحافظ ابن حجرؒ" جیسی عظیم شرح کا مطالعہ تلمیذ ہونے کی حالت میں ہی مکمل کرلیا تھا۔ چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں: "جس سال دورۂ حدیث شریف کا ارادہ تھا، اس کی تیاری کے طور پر میں نے رمضان المبارک میں عمدة القاری کا مطالعہ کیا۔ بسا اوقات ایک جلد کا مطالعہ ایک ہی وقت میں ہو جاتا تھا اور فتح الباری کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔" [2]

حافظہ:

اللہ پاک نے آپؒ کو قوی ترین حافظہ عطا فرمایا تھا ایسا حافظہ جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ذہانت و ذکاوت بچپن ہی سے آپ کے چہرہ سے عیاں تھی۔ آپ کے والد بزرگوار کا بیان ہے کہ "انور شاہ جب مجھ سے "مختصر القدوری" پڑھتے تھے تو بسا اوقات ایسے سوالات کرتے جن کا جواب اہم فقہی کتب کی مراجعت کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔" آپ نے "ہدایہ کی شرح "فتح القدیر" کا مطالعہ ایک مہینہ سے بھی کم مدت میں فرمایا اور ساتھ ساتھ "کتاب الحج" تک اس کی تلخیص بھی تحریر فرما دی۔

---

[1] اللغة العربية فی باکستان، ڈاکٹر محمود محمد عبداللہ ص ۷۶، نزہتہ الخواطر عبدالحی الحسینی ج ۸، ص ۸۰۔ الانور، عبدالرحمٰن کوندو ص ۹۷، اکابر علماء دیوبند، قاری فیوض الرحمٰن ص ۴۸۲۔ [2] التصریح، علامہ انور شاہ کشمیریؒ ص ۱۴۔ نفحة العنبر، محمد یوسف بنوریؒ ص ۳۰۰، مقدمہ انوار الباری، احمد رضا بجنوری ج ۲ ص ۲۴۰۔

پھر پوری عمر دوبارہ اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔[1] جبکہ کتاب "فتح القدیر" دس جلدوں میں "ھدایہ" کی مشہور شرح ہے جس کے مصنف علامہ محقق ابن ھمام ہیں۔ کون ہے جو علامہ ابن ھمام کی تحقیق سے واقف نہیں۔

ہمارے پاس ایسے عبقری ذہن کے لئے موزوں الفاظ نہیں ہیں جن سے ہم آپ کی قدر وقیمت جان سکیں کہ ایک شخص ہزارہا صفحات کا مطالعہ صرف بیس دن میں کرتا ہے جبکہ انہی بیس دنوں میں ان کی تدریسی اور تبلیغی ذمہ داریاں بھی ان کا دامن پکڑے ہوتے ہیں اور پھر چھبیس ۲۶ برس بعد اس کے کسی مقام سے استدلال کرتا ہے تو مراجعت کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

برصغیر میں آپ نے سب سے پہلے مسند احمد بن حنبل مطبوع مصر کا مطالعہ فرمایا۔ آپ روزانہ دو صد ۲ صفحات کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مذہب حنفیہ کے دلائل جمع کرنے کے لئے اور دوسری مرتبہ نزول عیسٰی علیہ السلام کے متعلق احادیث جمع کرنے کے لئے مطالعہ فرمایا۔[2]

قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دوران جب امارت شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو بعض علماء نے سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطہ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں علماء حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ میں جمع ہوگئے۔ وہ استنجاء کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کرکے واپس ہوئے تو اکابر علماء نے اس عبارت اور جمہور مسلک کے تعارض

---

[1] نفحۃ العنبر، علامہ محمد یوسف بنوریؒ ص ۲۷، مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۴۰۔
[2] مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۴۶، نفحۃ العنبر ص ۲۶۔

کا تذکرہ کیا کہ ہم سے تطبیق و ترجیح نہیں ہو سکتی۔

علامہ کشمیریؒ حسب عادت "حسبنا اللہ" کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت پر غور شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ عبارت میں دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے اور درمیان میں ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ کتب خانہ سے کتاب منگوائی گئی، دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر حذف ہو گئی تھی، جب اس سطر کو ملا لیا گیا تو مطلب جمہور مسلک کے عین موافق ہو گیا۔

ان کے علاوہ بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے آپ کی علمی ذہانت جھلکتی ہے۔

یہ ذکاوت و ذہانت علماء کرام و مشائخ عظام کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ آپ کے لئے بچپن میں ہی بہت سے بزرگانِ دین نے دعائیں کی ہیں۔

ایک مرتبہ وادیٔ نیلم کے ایک گاؤں "کیان" کے مشہور عارف حضرت میاں نظام الدین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ نے اپنے مرشد خواجہ محمد صدیق مجددیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ راستے میں مبلغِ اسلام اور سلسلہ سہروردیہ کے پیر مولانا معظم شاہؒ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے دوران مولانا معظم شاہ رحمۃ اللہ نے اپنے دونوں بچوں یٰسین شاہ اور انور شاہ کو اشارہ کیا کہ آؤ۔ حضرت میاں نظام الدین رحمۃ اللہ کو سلام کرو اور دعائیں لے لو۔ حضرت میاں نظام الدینؒ نے دونوں کے سر پر محبت و شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ حضرت شاہ صاحب کی ذہانت اور تیز طبعی سے متاثر ہو کر مولانا معظم شاہ سے مخاطب ہو کر دو میں سے چھوٹے (انور شاہ) کے بارے میں خوشخبری سنائی کہ "انشاء اللہ یہ اپنے وقت کے ان علماء میں سے ہوں گے جن سے دنیائے اسلام کو فیض پہنچے گا

اور سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو فروغ ملے گا"۔

اسی طرح بچپن میں ہی ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ منطق ونحو کے بعض ابتدائی رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے والد صاحب کے پاس ملاقات کے لئے آگئے۔ انہوں نے شاہ صاحب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ ان کتابوں پر خود اس ننھے سے طالب علم (انور شاہ) نے نہایت برجستہ قسم کے حواشی لکھ رکھے تھے۔ اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ "نظرِ بد دور" یہ بچہ تو اپنے وقت کا "رازی" اور اپنے زمانہ کا "غزالی" ہوگا۔

مطالعہ کا طریقہ:

آپؒ کو جو کتاب بھی ہاتھ میں آجاتی تھی اس کا پورا مطالعہ ضرور فرماتے تھے۔ چاہے شرح ہو یا متن، مخطوط ہو یا مطبوع۔ آپؒ کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ صرف فقہ حنفی کی کتب پر اکتفا نہ فرماتے تھے بلکہ تمام مذاہب کی کُتب کا مطالعہ بڑے غور وفکر سے فرماتے۔ اگر ان میں کوئی مسئلہ راجح نظر آجاتا تو بلاجھجک اس پر عمل کرتے ورنہ فقہ حنفی کو ترجیح دے کر مخالفین کے دلائل کا جواب دیتے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "مجھے اوقاتِ نوم کے علاوہ علمی فکر ایسا مشغول رکھتا ہے کہ دوسری باتوں کی طرف توجہ دینی مشکل ہے"[۱] آپؒ نے توریت وانجیل کا مطالعہ فرمایا جبکہ یہ کتابیں عبرانی زبان میں تھیں اور مطالعہ کے دوران نبوتِ صادقہ کے متعلق ۱۰۰ کے قریب بشارتیں بھی جمع فرمائیں۔[۲]

---

[۱] نفحۃ العنبر ص ۴۸۔ [۲] نفحۃ العنبر ص ۹۵۔

آپؒ نے علامہ ابن حجر، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، ابن دقیق العید جیسے بلند پایہ علماء کی کتابوں کا مطالعہ بھی فرمایا۔ باوجودیکہ ابن تیمیہ اور ابن العربی میں تصوف اور وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر سخت مخالفت تھی، دونوں کی کتابوں کا مطالعہ نہایت غور و فکر سے فرما کر ان سے استفادہ کیا۔

اخلاق : اللہ پاک نے آپؒ کو عمدہ اخلاق سے نوازا تھا۔ قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے تھے کہ "ہم سُننِ نبویہ حضرت شاہ صاحبؒ کی سیرت اور اخلاق سے ہی سیکھا کرتے تھے"۔ گویا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اخلاقِ نبویّہ کی زندہ تصویر تھے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؒ ہندوستان کے ایک گاؤں "مونگر" خطاب کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو ریلوے سٹیشن پر آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر بعض ہندوؤں کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "اس شخص کا دین باطل نہیں ہوسکتا" اور اسی وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوگئے اور جب "مونگر" میں آپ کا خطاب بعض ہندوؤں نے سُنا تو پکار اُٹھے کہ "اس شخص کا چہرۂ نورانی دینِ اسلام کی حقانیّت کا واضح ثبوت ہے"[2]۔

ایک دفعہ آپ کشمیر تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین معلوم ہوتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ اس نے کہا کہ اسلام کے متعلق آپ کو علم ہے؟

---

[1] نقشِ دوام، مولانا انظر شاہ صاحب ص ۱۸۱ اکابرِ علماءِ دیو بند ص ۸۰ ع۔

[2] نقشِ دوام ص ۷۰، المقدمات البنوریہ ص ۳۲۔

فرمایا، کچھ کچھ، پھر ان کے صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھتے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن کریم سے، دس توریت سے، دس انجیل سے، دس عقلی۔ پادری سن کر حیران ہوا اور کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر و علوم پر استحضار دیکھ کر مسلمان ہوجاتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ " جب آپ کو حق معلوم کرکے بھی ایمان کی توفیق نہ ہوتی تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں۔ محض تنخواہ کا لالچ ہے۔" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن " وہ پادری نہایت شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

زہد وقناعت :

آپؒ زہد و تقویٰ اور قناعت کی زندہ و جاوید تصویر تھے، ثبوت کے لئے صرف دو واقعات کافی ہیں کہ جب آپؒ نے شادی کی اس وقت آپ کے پاس گھر کا سامان ایک گھڑا، مٹی کے دو برتن اور ایک چٹائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب آپؒ آخری عمر میں بیمار ہوتے اور رخصت لے کر ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے تو جامعہ کے پرنسپل نے چھٹیوں کی تنخواہ بھیجی تو آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ میں رخصت پر ہوں یہ تنخواہ میرا حق نہیں ہے۔[۱]

---

[۱] نقشِ دوام ص ۸۰ - ۸۷

احترامِ اساتذہ

اساتذہ کا احترام آپؒ کے نزدیک بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ جب حضرت شیخ الہندؒ گرمیوں میں مالٹا جیل سے رہا ہو کر دیو بند تشریف لے آئے تو چھت کا پنکھا کھینچنے والی آپؒ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔ باوجودیکہ اس وقت آپؒ دیو بند میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے[1] پھر بھی عجز و انکساری اور احترام اساتذہ کی انتہا تھی۔

سلوک و تصوّف

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کے مجاز تھے لیکن سلوک و تصوف کے اس لائن پر علمی شغف و انہماک اور علمی کمال غالب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو اس دولت سے بھی نوازا تھا لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر کوئی واقعہ سنا لیتے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ العالی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو خود حضرت شاہ صاحبؒ نے سنایا تھا۔ کہ ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لئے چلا۔ راستہ دشوار گزار تھا۔ راستہ میں ایک صاحب ہمراہ ہو گئے۔ وہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے اور انہی کے پاس جا رہے تھے وہ مجھ سے راستہ بھر پیر صاحب کے کمالات کا تذکرہ کرتے رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں بھی پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ

---

[1] حیاتِ انور، ازہر شاہ قیصر، ص ۳۰۸، نقشِ دوام ص ۱۰۷۔

پر پہنچے تو اس شخص نے مجھ سے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہوتی ہے۔ اس لئے میں پہلے اندر جا کر آپ کے لئے اجازت لے لوں۔ چنانچہ وہ اندر گئے۔ اس پیر صاحب نے اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، جبکہ سب مریدین نیچے فرش پر بیٹھے تھے۔ کچھ باتیں ہوئیں پھر اپنے مریدوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ کے مطابق ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو کر تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا " میرا جی چاہتا ہے کہ مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم مبارک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد خود پیر صاحب نے فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

بعد میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ " ان باتوں کا خدا کا مقرب بندہ بن جانے سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سُنّت پر استقامت ہے۔"

ظرافت طبع

حضرت شاہ صاحبؒ درس و تدریس کے دوران علمی رنگ کا مزاح بھی پسند کرتے تھے۔ قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں " ایک دفعہ عصر اور مغرب کے

درمیان بخاری شریف کا درس ہو رہا تھا کہ اچانک کتاب بند کر دی اور فرمانے لگے کہ "جب بھائی شمس الدین ہی رخصت ہو گئے تو اب درس کا کیا لطف رہا۔ جاؤ، تم بھی گھر کا راستہ لو۔" ہم سب حیران ہو گئے کہ کون بھائی شمس الدین اور وہ کب آئے تھے اور کب رخصت ہو گئے۔ ہماری حیرانی دیکھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو غروب ہو رہا تھا، فرمایا کہ جاہلین! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین جا رہے ہیں۔ اب اندھیرے میں کیا سبق پڑھو گے؟

اسی طرح ایک دفعہ درس کے دوران پچھلی صف میں کسی طالب علم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ جاہل! تجھے معلوم نہیں کہ میں سند متصل کرنا بھی جانتا ہوں۔ جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا وہ اپنے پاس والے کو مارے گا وہ اپنے پاس والے کو رسید کرے گا۔ یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا۔[1]

یہ حکیمانہ رنگ میں تہدید بھی تھی اور مزاح بھی۔

علمی سفر

دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپؒ کے علمی سفر کی داستان بہت طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ سب سے پہلے "مدرسہ عبد الرب" میں کئی مہینہ تدریس کی، پھر دوستوں کے شدید اصرار پر ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ "امینیہ" دہلی منتقل ہو گئے۔ کئی سال کی تدریس کے بعد جب والدہ مرحومہ کی وفات پر کشمیر تشریف لے

---

[1] حیات انور ص ۲۲۱۔

گئے تو وہاں مقامی مسلمانوں کی جہالت، دین سے دوری، خرافات و بدعات کی روز افزوں ترقی، سنت اور اسلامی روح سے مسلسل فرار نے آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ اپنے وطن میں رہ کر مسلمانوں کو سنت کی روشنی کی طرف لائیں اور بدعات و خرافات اور جہالت کی تاریکی سے نکالیں، چنانچہ اسی ارادہ سے آپ نے قصبہ "بارہ مولا" میں ادارہ "فیض عام" کی بنیاد رکھی اور علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہو گئے۔

اسی دوران حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں کے چیدہ چیدہ کتب خانوں سے استفادہ فرمایا جن میں مدینہ منورہ کے شیخ الاسلام عارف حکمۃ الحسینی کا کتب خانہ اور مکتبہ المحمودیہ بھی شامل ہیں، ان میں موجود اکثر مخطوطات کا مطالعہ فرمایا۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ آپ کے سفر حرمین شریفین کا ذکر فرماتے ہیں کہ "اس سفر میں آپ نے خلافت عثمانیہ کے جلیل القدر اور مشہور عالم شیخ حسین الجسر الطرابلسی سے بھی ملاقات فرمائی اور استفادہ کے بعد ان سے درس حدیث کی سند اجازۃ بھی حاصل کی"۔[1]

دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل میں قیام

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ حرمین شریفین سے واپس آکر اپنے قصبہ بارہ مولا میں تدریسی مشاغل میں منہمک ہو گئے۔ چند سالوں کے بعد حرمین شریفین کی طرف مکمل ہجرت کا ارادہ ہوا اور اسی غرض سے اپنے مشفق استاد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے آخری ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور ہجرت کی اجازت چاہی لیکن شیخ الہند

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ رضوی ص ۹۹، دائرۃ المعارف الاسلامیہ لاہور ج ۱۷ ص ۲۰۶، اقبال اور کشمیر ص ۱۴۴ اقبال اور علماء پاکستان و ہندوستان ص ۲۴۸ ۔
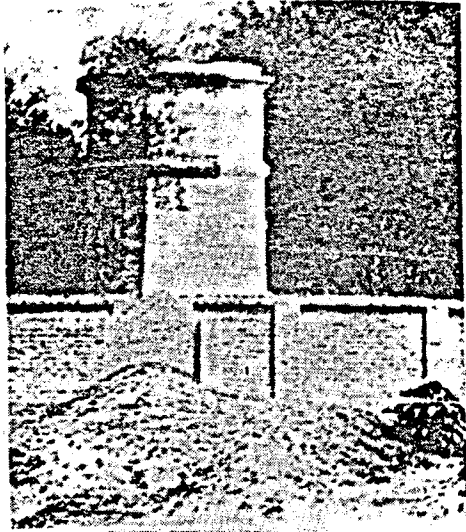
حضرت علامہ کشمیریؒ کی خواب گاہ۔
خاک کی وہ ڈھیری جس کے نیچے ایک گنج گراں مایہ پنہاں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے پیر بزرگوار حضرت الشیخ بابا مسعود نروریؒ رحمہ۔

نے اجازت مرحمت نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ اہلِ ہند خصوصاً دارالعلوم دیوبند کو آپ جیسے قابل ترین اور متقی علماء کی اشد ضرورت ہے اور اسی بناء پر آپ کو دیوبند میں سکونت اختیار کرکے تدریس شروع کرنے کا مشورہ دیا جو آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور اس طرح دارالعلوم میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کے مطابق صحاح ستہ جیسی بلند پایہ کتابیں پڑھانے لگے، اس وقت تک آپ تجرّد کی زندگی گزار رہے تھے۔

آپ نے اگرچہ اپنے استاد محترم کے حکم پر ہجرت حرمین کا ارادہ ترک کرکے دارالعلوم میں تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں لیکن انتظامیہ کو خدشہ تھا کہ کسی بھی وقت آپ دارالعلوم کو داغِ مفارقت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ نے دیگر اساتذہ کے سامنے تجویز رکھی کہ حضرت شاہ صاحب کو شادی پر مجبور کر دیا جائے۔ اساتذہ نے یہ تجویز قبول کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت شاہ صاحب نے دو شرطوں کے ساتھ یہ تجویز منظور کر دی ایک یہ کہ لڑکی سیدہ ہو، دوسری یہ کہ یتیم و غریب ہو۔ چنانچہ شرائط کے موافق گنگوہ کے سید خاندان میں آپ کی شادی ۱۳۲۶ھ کو ہو گئی۔

چھ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد آپ کو صدر مدرس منتخب کر لیا گیا چونکہ اس وقت حضرت شیخ الہندؒ دیوبند سے ہجرت کرکے حرمین شریفین روانہ ہو گئے تھے۔ آپ کے دور میں دارالعلوم کی شہرت پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ گئی۔ شائقین علم حدیث دور دراز مقامات سے کھینچ کھینچ کر دارالعلوم آنے لگے اور دارالعلوم کی وہ جامعیت و مرکزیت جو اسے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ اور حضرت شیخ الہند کے

دور میں تھی نہ صرف یہ کہ برقرار رہی بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ اٹھارہ سال تک دارالعلوم میں تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے، آخر کار بعض وجوہات کی بنا پر استعفیٰ دے کر یہاں سے "ڈابھیل" تشریف لے گئے۔ جہاں انھوں نے تدریس حدیث وفقہ کے لئے "جامعہ اسلامیہ" اور تصنیف کے لئے "مجلس علمی" کا سنگِ بنیاد رکھا اور چند سالوں میں یہ جامعہ دنیا کے چیدہ چیدہ جامعات میں شمار ہونے لگا۔

وفات

۱۳۵۲ھ کے شروع میں ڈابھیل میں آپ بیمار ہوئے تو دیوبند تشریف لائے وہاں ۶۰ سال کی عمر میں ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ کو وفات پائی۔ مولانا سید اصغر حسینؒ نے دارالعلوم دیوبند کے صحن میں آپؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور عیدگاہ کے قریب وصیت شدہ زمین میں آپ کو دفن کیا گیا۔

انا للہِ و اِنَّا اِلیہِ راجعُون

مرقد

لوحِ مزار پر "حضرت رئیس الحکماء والمتکلمین، خاتم الفقہاء والمحدثین، شیخ الاسلام مولانا "محمد انور شاہ" قدس سرہٗ بتاریخ ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ بوقت نصف شب از دار الفناء بسوئے دار البقاء رحلت فرمودؒ تحریر ہے۔

شاہ صاحبؒ کی اولاد

شاہ صاحب نے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔ بڑے صاحبزادے حافظ محمد ازہر شاہ قیصر ہیں جو عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف اُردو زبان کے اچھے ادیب اور مضمون نگار ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے مولانا انظر شاہ ہیں۔ ان کا شمار دارالعلوم کے صفِ اوّل کے اساتذہ میں ہے۔ اچھے مصنّف ہونے کے علاوہ مفسّر اور محدّث بھی ہیں۔ منجھلے صاحبزادے محمد اکبر شاہ، حضرت شاہ صاحبؒ کے وفات کے بعد جلد ہی انتقال کر گئے۔

شاہ صاحبؒ کی وفات پر ان کے والد مولانا معظم شاہؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا اقتباس پیشِ خدمت ہے۔

"میں ہمیشہ سے اس آرزو میں تھا کہ حضرت مرحوم میرا جنازہ پڑھائیں گے اور وقتاً فوقتاً فاتحہ سے یاد فرماتے رہیں گے۔ افسوس کہ خاکسار کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور یہ بدقسمت دن دیکھنا پڑا۔ یہاں درودیوار ماتم کدہ ہیں، تمام اہلِ خطہ نالاں و گریاں ہیں۔ مشیت ایزدی ہر چیز پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحبؒ کے درجات و مراتب بلند کر دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین۔"[1]

---

[1] مکتوب مولانا معظم شاہؒ بحوالہ روئداد جامعہ ڈابھیل ص ۲۵ ۱۳۵۲ھ

اساتذہ

آپؒ نے برصغیر کے بلند پایہ علمائے کرام و مشائخِ عظام سے علم حاصل کیا جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، عظیم محدث اور فاضل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق امرتسری رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ حدیث میں شیخ السنۃ حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی اور طرابلس کے مشہور و معروف فقیہہ اور عالم شیخ حسین الجسر الحنفی رحمہما اللہ تعالیٰ سے سند اجازت حاصل کی[1] آپ کی ایک سند حدیث امام ترمذی اور دوسری علامہ ابن عابدین تک پہنچتی ہے[2]

اساتذہ کا مختصر تعارف

شیخ الحدیث مولانا رشید احمد گنگوھی رحمہ اللہ

ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ میں آپ کی ولادت باسعادت گنگوہ (ھند) میں ایک علمی خاندان کے معزز عالم مولانا ھدایت احمدؒ کے ہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ نحو و صرف کی کتابیں حضرت مولانا محمد بخشؒ اور حدیث کی کتابیں حضرت شاہ عبد الغنیؒ سے پڑھیں۔

آپؒ نے ۱۲۷۵ھ میں انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیتے ہوئے چھ مہینے جیل کاٹی۔ رہائی کے بعد بڑی تعداد میں علماء و مشائخِ عظام نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۸۰، حیات انور ص ۳، الانور ص ۹۶۔

[2] فیض الباری ج ۱، ص ۲۶، نفحۃ العنبر ص ۸۳، المقدمات البنوریہ ص ۸۴۔

آخری سالوں میں آپ بیک وقت دارالعلوم دیوبند کے مدرس اور مظاہرالعلوم سہارنپور کے مہتمم رہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے استاد اور دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے استاد مولانا "محمود" نے شرفِ تلمذ آپ سے حاصل کیا۔

آپ کی وفات جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔

آپ کی چیدہ چیدہ مؤلفات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ تصفیۃ القلوب۔ ۲۔ امداد السلوک۔ ۳۔ ردّ الطغیان

۴۔ ہدایۃ الشیعۃ ۵۔ الجمعۃ فی القریٰ۔ ۶۔ سبیل الرشاد۔

۷۔ فتاویٰ رشیدیہ ۸۔ البراھین القاطعۃ فی رد البدعۃ۔

۹۔ زبدۃ المناسک فی مسائل الحج

آپ نے شیخ انور کشمیریؒ کو ۱۳۱۹ھ میں اجازۂ درس حدیث عطا کی[1]

جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ أجمعین الی یوم الدین

امابعد :۔ فیقول المفتقر الی رحمۃ ربہ الصمد، الفقیر الاحقر المدعو بہ "رشید احمد" الانصاری نسبًا والکنکوھی موطنًا تجاوز اللہ تعالیٰ عن زللہ ومعاصیہ ورضی عنہ و

---

[1] الانور ص ۹۹۔

عن مشائخہ، إن المولوی محمد انور شاہ بن معظم شاہ الکشمیری قد قرأ علی من أثق بہ الامہات الستۃ المشہورۃ عند المحدثین المحتویۃ للصحاح والحسان من احادیث الرسول السید الامین الصحیحین للشیخین وجامع السنن للترمذی والسنن لابی داؤد والسنن للنسائی والسنن لابن ماجہ القزوینی رضی اللہ عنہم اجمعین وافاض علینا من برکاتہم وجمعنا معہم یوم الدین۔ وانا أجیزہ ان یرویہا عنی بشرط الضبط والاتقان فی الالفاظ والمعانی والتثبت والتیقظ فی المقاصد والمبانی وبشرط التأدب بحضرۃ العلماء المحدثین والمجتہدین و صلی اللہ تعالیٰ علی محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین[1]

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ

۱۲۶۸ھ میں بریلی (ہند) میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ قرآن حکیم اور فارسی کی کچھ کتابیں اپنے والد مرحوم مولانا ذوالفقار علیؒ سے پڑھیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۹ھ میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد اسی سال دارالعلوم کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہوا ۱۳۳۳ھ تک صحاح ستہ اور دوسرے کتب حدیث و فقہ پڑھاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین حافظہ و قوۃ ملکیہ کے مالک تھے۔

---

[1] فیض الباری ج ۱، مقدمہ ص ۲۸، نفحۃ العنبر ص ۲۹۴، المقدمات البنوریہ ص ۹۴۔

یہ عجیب حسنِ اتفاق تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد محمود (شیخ الہند) اور سب سے پہلے استاد مولانا محمود تھے، گویا دونوں محمود نے مل کر دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی ابتدا کی۔

آپ نے حضرت شاہ عبدالغنی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ طریقت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ سے درسِ حدیث کی اجازت حاصل کی۔[1]

انگریز کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف منصوبے ترتیب دیئے اور تحریک ریشمی رومال تو آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس جہاد میں آپ کے ساتھ آپ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی، محمد میاں منصوری، مولانا عزیز گل رحمہم اللہ وغیرہ بھی شامل تھے جب آپ کو جزیرہ مالٹا میں پابندِ سلاسل کیا گیا تو یہ حضرات بھی ساتھ تھے، ان کے علاوہ حکیم نصرت حسین اور وحید احمد رحمہما اللہ بھی تھے۔ ۱۳۳۸ھ میں جب طویل جیل کاٹنے کے بعد رہا ہوئے تو بمبئی تشریف لائے بیمار ہوتے اور ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں وفات پائی۔ دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔[2]

آپ کی اہم مؤلفات یہ ہیں:

۱۔ ترجمہ قرآن کریم۔ ۲۔ صحیح بخاری کے ابواب و تراجم۔ ۳۔ دروس ترمذی
۴۔ الورد الشذی علی جامع الترمذی۔ ۵۔ ایضاح الادلۃ فی علوم الحدیث والفقہ۔ ۶۔ جھد المقل وغیرہ۔

حضرت شیخ الہند نے حضرت انور کشمیری کو ۱۳۱۷ھ میں درسِ حدیث کی

---

[1] حیات شیخ الہند ص ۲۰، تذکرۂ علماء دیوبند ص ۲۰۳، اکابر علماء دیوبند ص ۸۵ تا ۸۴، الانوار ص ۱۷۱، ۶۸۵، نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۶۵ تا ۶۴۔ [2] تحریک شیخ الہند ص ۱۱۲، ۱۸۶۔ حیات شیخ الہند ص ۲۶، تذکرہ شیخ الہند ص ۶۵، تحریک ریشمی رومال ص ۱۴۸ - ۱۸۶۔ نقشِ حیات ص ۸۷، اسیر مالٹا ص ۵۰، اقبال اور علمائے ہند و پاک ص ۱۹۸۔

اجازت دی، اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی شرفنا بجوامع الکلم وأمرنا بأن نصلی علی سید ولد آدم سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن والحدیث قدوۃ وإماماً۔

أما بعد: فیقول المفتقر إلی اللہ الودود۔ الحقیر الصغیر المدعو محمود الحسن تجاوز اللہ عن ذنوبہ وزمائم خصائصہ، ووقاہ بمنہ من شر نفسہ وسوء أعمالہ،

إن أخی فی اللہ المولوی محمد انورشاہ دخل فی ہذہ المدرسۃ، و فرغ من جمیع الکتب المتداولۃ فی علوم شتی، وقد قرأ علی واستمع عندی الصحیح البخاری وجامع الترمذی والسنن لابی داؤد والمجلد الثانی من الہدایۃ۔ فأحسبہ أہلاً للعلوم، قد اعطی فہماً ثاقباً ورأیاً صائباً وطبیعۃ زکیۃ و اخلاقاً رضیۃ، فأجیزہ کما أجازنی مشائخی الکرام ان یرویہا عنی بشرط الضبط والتیقظ و الاتقان والتثبت، وبشرط استقامۃ العقائد والاعمال علی طریقۃ الصحابۃ والتابعین وحسن التأدیب بحضرۃ المحدثین والمجتہدین، واوصیہ کما أوصی نفسی بتقوی اللہ تعالیٰ واتباع السنۃ، والتجنب عن حطام الدنیا و

أهل البدعة، والاشتغال بالعلوم الدينية، وأسأل الله تعالیٰ لی وله أن یوفقنا لما یحب ویرضیٰ ویجعل آخرتنا خیرا من الأولیٰ وصلّی الله تعالیٰ علی نبیّه وحبیبه وعلی آله وأصحابه أجمعین[۱]۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ

"نانوتہ" سہارنپور، میں آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۶۹ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا شاہ مجید علی رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ ۱۲۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہما اللہ سے علمی فیض حاصل کر کے درسِ حدیث میں ان سے سندِ اجازۃ حاصل کی۔ ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کر کے "مظاہر العلوم" میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ حج سے واپسی کے بعد ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کے مدرس متعین ہوئے۔

آپ کے اہم شاگردوں میں بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا محمد زکریاؒ (صاحبِ کتاب "أوجز المسالک إلی مؤطا الامام مالک" وکتاب "لامع الدراری علی صحیح البخاری") حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور اعلاء السنن کے مؤلف مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ مشہور ہیں۔

آپ کی اہم مؤلفات میں "بذل المجہود فی شرح ابی داؤد" سب سے زیادہ مشہور ہے

---

[۱] نفحۃ العنبر ص ۲۹۳، المقدمات البنوریۃ ص ۴۵، فیض الباری ج ۱ ص ۲۷۔

یہ کتاب آپ نے عربی میں تالیف کی ہے جو کہ سات جلدوں میں ہے۔ ۱۳۴۶ھ میں آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے پہلو میں مدفون ہیں[1]

ڈاکٹر حسین الجسر طرابلسی حنفی رحمہ اللہ

آپ کی ولادت طرابلس میں ۱۲۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محمد بن مصطفیٰ الجسر سے حاصل کی جو کہ بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۲۷۹ھ میں جامعہ ازھر مصر تعلیم کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۲۸۵ھ میں واپس آکر تبلیغ ودعوۃ میں مشغول ہوگئے۔ اسی دوران طرابلس سے ایک اخبار نکالا۔

آپ کی چیدہ چیدہ مؤلفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ الرسالۃ الحمیدیہ فی حقیۃ الدیانۃ الاسلامیہ وحقیقۃ الشریعۃ المحمدیۃ

۲۔ الکواکب الدریۃ فی فنون الادبیۃ۔ ۳۔ الحصون الحمیدیۃ فی العقائد الاسلامیۃ۔ ۴۔ اشارات الطاعۃ فی حکم صلاۃ الجماعۃ۔ ۵۔ مناقب الشیخ محمد الجسر۔

۱۳۲۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔[2]

علامہ حسین الجسرؒ نے حضرت کشمیریؒ کو ۱۳۲۳ھ میں اجازۃ درس حدیث دی۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں؛

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۳۳۔

[2] معجم المؤلفین ج ۴ ص ۵۸، الاعلام ج ۲ ص ۲۵۸۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

أما بعد :- فقد أجزت أخانا فی اللہ الفاضل الشیخ العلامۃ محمد انورشاہ الکشمیری بسند الاستاذ الشیخ محمد الأمیر المصری و بسند الشیخ أحمد الطحطاوی المصری المجاز بہما عن سیدنا الشیخ عبد القادر أبی رباح الدجانی الیافی المجاز بہما من المرحوم والدی الشیخ محمد الجسر ومن شیخ والدی المرحوم الشیخ محمد الکتبی وھو قبل منی ذلک، وأوصیہ بتقوی اللہ و بحفظ شرف العلم وبالدعاء لی بالخیر وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا وآلہ وأصحابہ اجمعین۔[1]

شیخ المعقولات حضرت مولانا غلام رسول الھزاروی رحمہ اللہ

۱۲۷۵ھ میں حضرت کی ولادت باسعادت ہزارہ میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم مکمل کر لینے کے بعد ۱۳۰۳ھ میں فارغ ہوئے۔ ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم میں ہی مدرس تعینات کئے گئے۔

حضرۃ العلامہ کو معقولات پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اکثر علماء معاصرین میں آپ کو نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے مشہور

[1] نفحۃ العنبر ص ۲۱۶، فیض الباری ج ۱ ص ۲۹، المقدمات البنوریہ ص ۴۸۔

تلامذہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (بانی ندوۃ المصنفین دہلی) مولانا رسول خان رحمہم اللہ شامل ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے دوران آپ کا انتقال ۱۳۴۷ھ میں ہوا۔

اہم تلامذہ

آپ نے تیس ۳۰ سال سے زائد عرصہ تصنیف و تالیف اور علم احادیث کی خدمت میں گزارا۔ اسی وجہ سے آپؒ کے شاگردوں کی تعداد پانچ ہزار سے بڑھ کر ہے جن میں سے صرف چند کے علمی اور تصنیفی کارنامے مختصراً تحریر ہیں۔ تمام شاگردوں کے کارنامے اور تذکرہ کرنا بہت مشکل ہے۔

۱۔ شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ :

حضرت رائے پوریؒ کے قطب الارشاد ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں۔ علامہ ابوالحسن علی الحسینی الندوی نے مفصل انداز میں آپؒ کی سوانح حیات تحریر کی ہے۔ یہ کتاب تین سو ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپؒ دارالعلوم دیوبند کے مدرس اور مہتمم تھے۔ تصنیف میں آپؒ کی گراں قدر خدمات ہیں۔ آپؒ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں۔ (۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند۔ (۲) اسلام کا اخلاقی نظام۔ (۳) دینی دعوت کے اصول۔ (۴) اسلام اور سائنس (۵) شان رسالت، (۶) شرعی پردہ۔ (۷) معجزہ کیا ہے ؟ وغیرہم۔

۳۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ :۔

آپؒ بہت بڑے مصنف اور محدث تھے۔ آپؒ کی چند مشہور تالیفات یہ ہیں (۱) تدوین حدیث۔ (۲) اسلام اور نظام اراضی۔ (۳) امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

(۴) النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم (۵) سوانح قاسمیؒ وغیرہ ۔

۴۔ مولانا حفظ الرحمان سوہاروی رحمۃ اللہ :۔

آپ بہت بڑے مصنف تھے ۔ تصنیف تالیف میں آپ کا نمایاں مقام ہے ۔
چند مشہور تالیفات یہ ہیں : (۱) قصص القرآن چار جلد ۔ (۲) بلاغ مبین تین جلد ۔
(۳) اسلام کا اقتصادی نظام ۔ (۴) اسلام اور اس کا فلسفہ ۔ آپؒ کی اکثر تصانیف
"ندوۃ المصنفین دہلی" سے شائع ہوئیں ۔

۵۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فراغت کے بعد دار العلوم میں ہی بحیثیت مفتی خدمات سرانجام دے رہے تھے قیام
پاکستان کے بعد کراچی میں "دار العلوم" کے نام سے عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد رکھی جس
سے رہتی دنیا تک تشنگانِ علم سیراب ہوتے رہیں گے ۔ تصنیف میں بھی آپؒ کی
گراں قدر خدمات ہیں ۔ چند مشہور تالیفات یہ ہیں : (۱) تفسیر معارف القرآن آٹھ جلد
(۲) زکوٰۃ کے احکام ۔ (۳) سیرت خاتم الانبیاء ۔ (۴) فتاوی دار العلوم دیوبند ،
(۵) ختم نبوۃ ، (۶) سنت و بدعت وغیرہ ۔

۶۔ محقق العصر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

اللہ تعالیٰ اسلام کی صحیح خدمت کے لئے آپ کو عمر دراز عطا فرمائے اور علم میں
ترقی عطا فرمائے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خصوصی عنایات سے تصنیف کا بہترین
ملکہ عطا فرمایا ہے ۔ چیدہ چیدہ تالیفات یہ ہیں : (۱) معارف الحدیث آٹھ جلد ۔
(۲) اسلام کیا ہے ۔ (۳) انقلابِ ایران اور امام خمینی وغیرہ ۔

۷۔ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

آپؒ کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مؤسس ہیں۔ قادیانیت کے رد میں آپؒ نے خصوصی طور پر اہم کردار ادا کیا۔ آپؒ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مصنف بھی تھے۔ آپؒ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں :۔

(۱) معارف السنن علیٰ جامع الترمذی چھ جلد۔ (۲) نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانورؒ (۳) بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب۔ (۴) عصمۃ الانبیاء وغیرہ، یہ تمام تصانیف عربی میں ہیں۔

ان کے علاوہ چند اور تلامذہ کے نام پیش کئے جاتے ہیں :

۱۔ مولانا فخر الدین احمدؒ شیخ الحدیث مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند۔
۲۔ شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ نائب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند۔
۳۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی۔
۴۔ مولانا بدر عالمؒ مہاجر مدنی نزیل مدینہ منورہ (مؤلف فیض الباری)
۵۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور۔
۶۔ حضرت مولانا محمد صدیقؒ نجیب آبادی (مؤلف انوار المحمود)
۷۔ پروفیسر سعید احمدؒ اکبر آبادی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
۸۔ حضرت مولانا محمد میاںؒ (مؤلف علماء ہند کا شاندار ماضی)
۹۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم جمعیت علماء اسلام پاکستان۔
۱۰۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ تہبودی، حضرو پاکستان

۱۱۔ حضرت مولانا فیوض الرحمٰنؒ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور۔

۱۲۔ حضرت مولانا عبدالحنّان ہزارویؒ راولپنڈی۔

۱۳۔ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ (مؤلف انوار الباری)

۱۴۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی۔

۱۵۔ مولانا عبدالقیوم خطیب ہزارہ۔ ہری پور۔

۱۶۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی کارنامے

حضرت شاہ صاحبؒ کو قرآن کریم وحدیث شریف کے صحیح مفہوم سمجھنے میں ایک امام کی حیثیت حاصل تھی۔ چونکہ آپؒ کو فقہ حنفی کے مقلد ہونے کے ساتھ ساتھ تمام مذاہب مختلفہ کی آراء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ کو دلائل کے ساتھ ترجیح دینے پر دسترس حاصل تھی۔ آپؒ قرآن کریم کے مطالعہ اور آیات کے معانی کی تہہ تک پہنچنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر اوقات مطالعہ جاری رہتا تھا بلکہ بعض اوقات ایک ہی آیت پر کئی کئی گھنٹے اور کئی کئی دن بھی گزر جاتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ آیاتِ قرآنیہ کو سمجھنے کے لئے انتہائی غور وفکر درکار ہے[1]

اُستاد پر شاگرد کی صلاحیتوں کا انکشاف

حضرت شاہ صاحبؒ کی ذہنی صلاحیتیں حضرت شیخ الہند پر ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۱۴ھ تک زمانہ طالب علمی میں ہی روشن ہو چکی تھیں اور آپ پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ ذہانت وفطانت، متانت و دیانت کا مجسم یہ کشمیری نوجوان

---

[1] نقشِ دوام ص ۱۱۲۔

تدریس علوم دین کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ وقت آنے پر اس سے یہی کام لینا اس کی قابلیتوں سے صحیح استفادہ کرنا ہی ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے۔

چنانچہ جب علامہ ظہیر احسن نیمویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف "آثار السنن" کے کچھ اجزاء بغرضِ ملاحظہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھیجے تو حضرت نے انہیں یہ اجزاء واپس ارسال کئے اور مشورہ دیا کہ میرے شاگردِ رشید انور شاہ کشمیریؒ سے اس کے بارے میں مشورہ لیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے ہی محدث نیمویؒ کو شاہ صاحبؒ کا پتہ بھی لکھ دیا۔ شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی امید کے مطابق مولانا نیمویؒ کے مسودات پر اتنے اضافے فرما دیئے کہ بقولِ خود حضرت شاہ صاحبؒ کے کہ "میں نے جو اضافے کئے وہ مقدار میں ان کی اصل کتاب سے زیادہ تھے"۔

بعض مشاہیر فن کے متعلق رائے:

حضرت شاہ صاحبؒ بعض محدثین وفقہاء کے بارے میں خاص تأثرات رکھتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے "کہ علامہ ابن نجیم حنفیؒ (صاحب بحر الرائق) میرے نزدیک بلاشبہ علامہ شامیؒ سے زیادہ فقیہ ہیں کیونکہ مجھے ان میں تفقہ کے آثار بہت روشن نظر آتے ہیں۔ فقیہ شامی شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے معاصر ہیں اور میرے خیال میں شاہ صاحب شامی سے زیادہ فقیہ ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ الشیوخ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ

میرے نزدیک شامی سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔[1]

بعض ائمۂ فن کے متعلق بھی خاص رائے رکھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ م ۶۳۸ھ اس امت کی عظیم ترین شخصیتوں میں سے ہیں۔ وہ حقائق کی تہہ تک پہنچتے ہیں۔ اپنے فن میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ بعض اہلِ علم میں بڑا اعتدال ہے جیسے شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ حافظ ابن عبدالبرؒ، حافظ زیلعی رحمہم اللہ ہیں اور بعض میں اعتدال نہیں ہوتا۔ ان کی طبیعت میں شدّت اور حِدّت ہوتی ہے جیسے حافظ ابن تیمیہؒ ہیں وہ بلاشبہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں لیکن چند اصولی و فروعی مسائل میں وہ جمہور امت سے منفرد ہیں حالانکہ حق پر جمہور علماء ہیں۔ ان کی طبیعت میں تیزی بہت ہے۔ وہ اپنی تحقیق کو وحی آسمان سمجھتے ہیں اگرچہ وہ حقیقت کے خلاف کیوں نہ ہو۔ بعض میں شدّت تعصب کے ساتھ بیدار مغزی بلا کی ہوتی ہے۔"[2]

تنقیدی نظر

حضرت شاہ صاحبؒ درسِ حدیث اور مجالس علم میں حافظ ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، جلالت قدر و وسعت معلومات کی مدح کے ساتھ ساتھ اصولی و فروعی مسائل میں تفردات پر سخت گرفت بھی فرمایا کرتے تھے۔ کسی حدیث کو اگر انہوں نے اپنی درایت کے ذریعہ گرانے کی سعی کی تو اس پر ناگواری کے لہجے میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کیا حافظ ابن تیمیہؒ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ خدا کا دین یا پیغمبر کی حدیث

---

[1] فیض الباری ج ۲ ص ۱۴۱، ج ۱ ص ۱۲۰
[2] فیض الباری ج ۲، ص ۱۶۴۔

ان کی عقل کے موافق اترنی چاہیئے تھی؟[1]

عقائدِ اسلام کے بارے میں قرآن وسُنت کی روشنی میں حافظ ابن تیمیہؒ سے پہلے تقریباً چالیس اکابر محققین ومتکلمین نے جو فیصلے کئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں کو حافظ ابن تیمیہؒ نے توڑ پھوڑ کر الٹ پلٹ کر دیا تھا جن میں "استواء علی العرش" کو استقرار وتمکن کے معنی میں لینا اور نزول باری تعالیٰ کو انتقال مکانی پر محمول کرنا شامل ہے[2]

بقول شاہ عبدالعزیزؒ اسی لئے اس وقت کے تقریباً تمام علماء امت نے ان کی مخالفت کر کے قید وبند کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ سید احمد رضا بجنوریؒ نے مزید وضاحت کے لئے اسی اکابر امت کی وہ تنقیدات جمع کر دی ہیں جو اب تک حافظ ابن تیمیہؒ پر کی گئی ہیں۔

اپنے بعض اکابر سے خصوصی تاثر

حضرت شاہ صاحبؒ تمام اکابر کا بے حد احترام کیا کرتے تھے لیکن چند اکابرین سے آپ خصوصی طور پر متاثر تھے۔ ایک دفعہ درس کے دوران فرمایا "ہم کشمیر سے ہندوستان آئے تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا۔ اس کے بعد حضرت استاد (حضرت شیخ الہندؒ) اور حضرت رائے پوری (شاہ عبدالرحیمؒ) کے یہاں دیکھا

---

[1] انوار الباری ج ۱۱۔

[2] ان فقہاء ومحدثین میں امام طحاوی م ۳۲۱ھ، علامہ اشعری م ۳۳۰ھ، محقق ماتریدی م ۳۳۳ھ، علامہ لالکائی م ۴۱۸ھ، علامہ بیہقی م ۴۵۸ھ، علامہ ابن عبدالبر م ۴۶۳ھ، امام الحرمین م ۴۷۸ھ، امام غزالی م ۵۰۵ھ، ابن جوزی حنبلی م ۵۹۷ھ، امام رازی م ۶۰۶ھ وغیرہم منکرین ومحققین شامل ہیں۔

اب جو دیکھنا چاہے وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں جا کر دیکھے!"

حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ تعلیم

حضرت شاہ صاحب کا فلسفہ تعلیم یہ تھا کہ دینی مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والے خود بھی تاریکیوں سے نکل کر علم و عمل کی روشنی میں آجائیں۔ اور خلق خدا کو بھی تاریکیوں سے نکال کر نور و ھدایت کی شاہراہ پر لے آئیں وہ دینی تعلیم کو ادنیٰ مقاصد کے لئے حاصل کرنے کو علم دین کی توہین سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ مقولہ شاگردوں میں بہت مشہور تھا کہ" جو شخص قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کو محض شکم پروری کے لئے پڑھتا ہے وہ بازار سے قیمتی شال اس لئے خرید کر لاتا ہے کہ اس سے اپنے جوتے صاف کرے!"

یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحبؒ صرف کتابوں کے مضامین پڑھانے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان کے اخلاق و اطوار اور عادات و خصائل کو سنوارنے کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔ درس کے دوران فرماتے رہتے کہ علم حاصل کرنے کا اصل مقصد اپنی شخصیت کی تکمیل، تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس ہے کیونکہ یہی وہ عناصر ہیں جو روح کی پاکیزگی اور حصولِ عرفان کی بنیاد ہیں۔

یہ فلسفہ تعلیم آپ کو اپنے اساتذہ کرام خاص کر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے ملا تھا۔ اسی فلسفہ تعلیم کے سانچے میں آپ نے اپنے آپ کو ڈھالا تھا۔ دوسروں کو بھی اسی قالب میں ڈھالنے کا سوچتے رہتے تھے۔

جدید علوم سے واقفیت

مصر والوں نے جدید مغربی علوم پر عربی میں جو کتابیں شائع کی ہیں اور مختلف مغربی زبانوں سے جو تراجم کئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان کے ذریعہ ان نئے علوم اور نئی تحقیقات سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے۔ خاص طور پر طبیعات میں یورپ نے جو ترقی کی ہے اس کے معترف اور اس کے مفید پہلو کے قدرداں تھے۔ اسی وجہ سے مشہور مصری فاضل طنطاوی جوہری کی تفسیرؒ جواہر القرآن کے مطالعہ اور اس سے علمی استفادہ کا مشورہ دوسرے اہلِ علم کو بھی دیتے تھے حالانکہ اس میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو سخت ناپسندیدہ ہیں۔

علماءِ معاصرین کی آراء:

یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی اور عملی شان کے متعلق دنیا کے جن جن علماء کرامؒ زعماءِ کرام نے مختلف تعریفی آراء کا اظہار کیا ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں صرف شاہ صاحبؒ کے چند اساتذہ اور چند مشہور علماءِ کرام و زعماءِ کرام کی آراء کو اپنی ناقص تحریر میں لاتا ہوں۔

— آپؒ کے استاذِ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کاشمیریؒ میں علم و عمل، صورۃ و سیرت، زُہد و تقویٰ، سیدھی رائے اور بہترین حافظہ سب کچھ جمع فرمایا تھا[1]

---

[1] نفحۃ العنبر ص، ۲۲۴۔

— حضرت سلیمان ندوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ ایسا سمندر تھے جس کا ظاہر خاموش اور باطن موتیوں سے بھرا ہوا ہو[۱]

— حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب بولنے والے چلتے پھرتے کتب خانہ تھے[۱]

— پیر طریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسلام کے حقانیت کی دلیل اس اُمت میں حضرت شاہ صاحبؒ کی ذاتِ گرامی کا وجود ہے اس لئے کہ اگر دینِ اسلام میں کوئی کجروی ہوتی تو شاہ صاحبؒ قطعاً اس دین پر نہ رہتے[۲]

— جب حضرت بنوریؒ نے شیخ محمد زاہد الکوثری کو اپنے استاد حضرت شاہ صاحبؒ کا مختصر تعارف قاہرہ میں کرایا۔ جبکہ آپؒ "فیض الباری شرح صحیح بخاری" اور "نصب الرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ" چھپوانے کے لئے قاہرہ تشریف لے گئے تھے تو شیخ کوثریؒ کو حضرت شاہ صاحبؒ کی علمیت کا اندازہ ہوا پھر آپؒ نے ایک مجلس میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ شیخ انور شاہ کشمیریؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں دینِ اسلام کی حقانیت کے جوہر باطل قوت کے سامنے ایسی وضاحت سے پیش کئے کہ باطل قوت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی قادیانیت کے خلاف جدوجہد پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں جو کہ تالیف وتصنیف کی صورت میں دنیا کے ہر کونے میں پہنچ چکی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے عمدہ کتاب "اکفار الملحدین" ہے"[۳]

— مصر کے ممتاز عالم حنبلی محدث علی المصری فرماتے ہیں کہ میں نے "شیخ محمد انور شاہ

---

[۱] مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۴۰، نفحۃ العنبر ص ۳۰۲، تاریخ دار العلوم دیوبند، رضوی ص ۱۹۹ ص ۲۴۰۔
[۲] اکابر علماء دیوبند ص ۸۷، نفحۃ العنبر ص ۲۳۱۔
[۳] مقالات کوثریؒ ص ۳۵۹۔

جیسا کوئی ایسا عالم و محدث نہیں دیکھا جو کہ حافظ ابنِ حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ اور علامہ شوکانی رحمہم اللہ جیسے علماء کی نظریات پر ان کی علمی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تنقید کا حق ادا کرے"۔[1]

— علامہ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں کہ "حضرت کشمیریؒ کی مثال پچھلی پانچ صدیوں تک نہیں مل سکتی"۔[2]

— شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضرت کشمیریؒ کی مثال علمی میدان میں ہندوستان میں نہیں پائی اور نہ حجازِ مقدس اور عراق و شام میں پائی۔ باوجود دیکہ میں نے وہاں کے جید علماء و فضلاء سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن حضرت کشمیریؒ کی مثال نہ مل سکی"۔[3]

— حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت انور شاہ کشمیریؒ بہت بڑے عالم، متقی، فقیہ اور اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے اور علمی اشکالات بہترین انداز میں حل فرمایا کرتے تھے"۔[4]

— حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت کشمیریؒ جیسا محقق پورے عالمِ اسلام میں نہیں دیکھا اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود بھی اپنی مثال نہیں دیکھی ہوگی اور اگر کوئی ہم سے یہ پوچھے کہ تم نے ابنِ دقیق العید یا حافظ ابنِ حجر کو دیکھا ہے تو ہم یہ کہیں گے "ہاں" ان دونوں کو حضرت کشمیریؒ کی صورت میں دیکھا ہے"۔[5]

---

[1] الانور ص ۵۹۵۔ [2] بیس بڑے مسلمان ص ۲۷۵، اکابر علماء دیوبند ص ۸۷، نفحۃ العنبر ص ۲۸، مقدمۃ انوار الباری ج ۲ ص ۱۴۲۔ [3] نفحۃ العنبر ص ۲۳۰۔ اکابر علماء دیوبند ص ۸۶۔
[4] حکیم الامت نقوش و تاثرات ص ۱۱۔
[5] حیاتِ انور ص ۱۲۰، مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۴۰، اکابر علماء دیوبند ص ۸۶۔

علامہ رشید رضا کے تاثرات

جناب محترم سید رشید رضا مصریؒ نے ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی زیارت فرمائی۔ وہاں علامہ کشمیریؒ کے ایک علمی خطاب کو سنا۔ بعد میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: " اگر مجھے اس جامعہ اور علماءِ دیوبند کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں ہندوستان سے نامراد واپس ہوتا" مصر واپس ہونے کے بعد اپنے ماہانہ رسالے " المنار" میں تحریر فرمایا۔" مجھے دارالعلوم دیوبند دیکھنے کا شرف حاصل ہوا جو کہ حقیقت میں " ازھر ہند" ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس جامعہ کا نفع پورے عالم اسلام میں دور دور تک پھیلاتے اور تمام مسلمانوں کو اس مادر علمی سے روحانی طور پر سیراب ہونے کی توفیق عطا فرماتے، آمین ثم آمین۔ مجھے ہندوستان میں اتنی خوشی کہیں بھی حاصل نہیں ہوئی، جتنی دارالعلوم کو دیکھ کر حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں علماء دیوبند کے بارے میں تعصب و جمود مشہور تھا لیکن دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ اس تعصب و جمود سے پاک ہیں۔[1]

جب آپ نے ڈاکٹر ای، فنسنک کی کتاب "مفتاح کنوز السنۃ" کا مقدمہ تحریر کیا اس میں آپ نے اقرار کیا ہے کہ اگر اس زمانے میں علوم حدیث پر علماء ہند کی خصوصی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم نیست و نابود ہو جاتا جبکہ مصر، شام، عراق اور حجاز مقدس میں دسویں صدی سے ضعیف ہو چکا ہے اور ۴۰۰ ھ تک اس میں مزید ضعف کا بھی امکان ہے۔[2]

---

[1] مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۱۷۲، نفحۃ العنبر ص ۱۷، نقش دوام ص ۱۴۲۔

[2] تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند ص ۱۶۲، مفتاح کنوز السنۃ ڈاکٹر ای فنسنک ص (ق)، نفحۃ العنبر ص ۸۳

شاہ صاحبؒ اور علامہ اقبالؒ

اور علامہ اقبالؒ بھی حضرت انور شاہؒ کے بڑے قدر دان اور ان کے علم وفضل کے معترف تھے۔ دونوں کا کشمیر سے ہی وطنی تعلق تھا۔ یہ ان کی باہمی خلوص ومحبت ہی تھی کہ جب حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند سے مستعفی ہوئے تو علامہ اقبال نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح شاہ صاحبؒ لاہور میں قیام پر رضامند ہو جائیں، لیکن یہ تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پائی۔

شاہ صاحبؒ کا منظوم رسالہ "ضرب الخاتم" جب شائع ہوا تو انہوں نے علامہ اقبالؒ کو بھی تحفہ کے طور پر اس کا ایک نسخہ ارسال فرمایا۔ اقبالؒ نے جب یہ رسالہ غور سے پڑھا تو بے اختیار قلم سے لکھنے لگا:

"میں تو انور شاہؒ کا یہ رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن "قال اللہ، وقال الرسول" سے واسطہ رکھنے کے باوجود آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔"[1]

علامہ اقبالؒ نے ایک مجلس میں شاہ صاحبؒ سے جب زمان ومکان کے متعلق استفسار کیا، تو آپؒ نے اقبالؒ کو عراق کے رسالہ "غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان" کی طرف توجہ دلائی۔ اقبالؒ نے شاہ صاحبؒ کو بتایا کہ یورپین محققین نے اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے، چنانچہ نیوٹن نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے نیوٹن کی اکثر تصانیف دیکھی ہیں، زمان ومکان پر

---

[1] انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی کارنامے، ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ، ص ۷۲

اس نے جو بھی لکھا ہے وہ اکثر جگہ عراقی کے مذکورہ رسالہ سے ماخوذ ہے، لیکن اس کا حوالہ کہیں بھی نہیں دیا ہے۔ اقبال بڑے حیران ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت شاہ صاحبؒ کو جو اخلاص، علم و تقویٰ اور بے پناہ صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود ان کی تواضع اور علماء کرام کی قدردانی و احترام اور قرآن و سنت کی خدمت کے سبب علماءِ معاصرین کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مختلف میدانوں میں دین کی خدمت کر رہے تھے۔ نہایت قوی تعلق تھا۔ اگرچہ اصطلاح میں انہیں علماء کے خطاب سے نہیں نوازا گیا۔ مثال کے طور پر علامہ اقبالؒ مرحوم کو لیجئے۔ علامہ کشمیری کا ان کے ساتھ نہایت قوی تعلق قائم تھا۔ علامہ اقبالؒ نے آپؒ سے دینی مشکلات کے حل میں پورا استفادہ کیا۔ خصوصاً قادیانیت کے رد میں جو کچھ تحریر فرمایا اور جو اشعار لکھے ان میں علامہ کشمیریؒ کی پوری سرپرستی حاصل تھی۔ مولانا محمد انظر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوۃ کے متعلق انگریزی میں چھ خطبے تحریر کئے ہیں جن میں علامہ کشمیریؒ سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔[1]

بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو شاہ صاحبؒ نے ہی ڈاکٹر صاحبؒ کو فتنۂ قادیانیت اور اس کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یوں تو بہت سارے واقعات ایسے ہیں جن سے یہ تصویر جھلکتی ہے لیکن نمونہ کے طور پر صرف ایک واقعہ تحریر ہے۔

ایک دفعہ کشمیر کے گورنر نے مرزا بشیر الدین قادیانی کی سربراہی میں مفادِ عامہ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی اور ڈاکٹر صاحبؒ کو اس کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحبؒ قادیانیت کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے۔ جب علامہ کشمیریؒ کو اس کا

---

[1] تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ، مسعود الندوی ص ۲۱۹۔ نقشِ دوام ص ۲۵۸، علماء حق، مولانا محمد میاں صاحب ص ۲۵!

علم ہوا فوراً ان کے ہاں تشریف لے گئے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں قادیانیت کے کفر کو واضح کیا۔ ڈاکٹر صاحب متاثر ہو کر کمیٹی سے مستعفی ہوئے اور قادیانیت کے خلاف اشعار و مقالہ جات لکھنے شروع کئے۔[1]

ردِّ قادیانیت میں آپؒ کی خدمات :

اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی قانون ہے کہ دینِ اسلام کو ہمیشہ کے لئے غالب رکھتا ہے۔ اسی لئے جب بھی کوئی فتنہ دین کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو دینِ اسلام کے خلاف بڑی تعداد میں فتنے کھڑے نظر آتے ہیں۔ خوارج کا فتنہ، معتزلہ، شیعیت کا فتنہ اور یہ فتنے ختم نہیں ہونے پاتے بلکہ ان کی تعداد اور زیادہ ہوتی رہتی ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، آپؐ فرماتے ہیں "فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً"[2] اور یہ افتراق و اختلاف قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

موجودہ دور کا سب سے خطرناک فتنہ ہندوستان میں قادیانیت کا فتنہ ہے۔ جو کہ انگریز کی تائید سے غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت سے وجود میں آیا۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے کہ نبوّت کا دروازہ بند ہے لیکن غلام احمد نے کھولنے کی جرأت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے جن علماءِ کرام و مشائخِ عظام کو قبول فرمایا، ان میں علامہ کشمیریؒ سرِ فہرست ہیں۔ آپؒ نے اس فتنہ کو جڑ سے

---

[1] اقبال اور کشمیر ص ۱۷۶، نقشِ دوام ص ۱۸۸، خطوط اقبالؒ ص ۵۸، اقبالؒ اور علماء پاکستان و ہندوستان ص ۲۵۸۔
[2] صحیح مسلم ج ۱، ص ۷۵۔

اکھاڑ پھینکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رات دن ایک کرکے کام کیا۔ آپ خود فرماتے تھے "جب سے ہندوستان میں یہ فتنہ پروان چڑھا، مجھ پر نیند حرام ہوگئی چونکہ لوگ دینِ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کرنے لگے اور اسی حالت میں چھ ماہ گزر گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اِلقاء کیا کہ اس فتنہ کی شان وشوکت عنقریب ختم ہوگی اور اس کا دائرہ کار تنگ ہوگا۔ اس القاء کے بناء پر مجھے اطمینان نصیب ہوا اور ان کے خلاف مہم کو تیز تر کر دیا۔"[۱]

آپؒ نے اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کے لئے مُعاصرین عُلماء کو نوم عمیق سے جگایا اور اپنے شاگردوں کو اس کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دوستوں اور شاگردوں کو کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائی اور سب نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کتابیں اور رسالے تالیف کیے۔ یہی وجہ تھی کہ عالم اسلام کے تمام علماء اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر متفق ہوتے اور اس میں مجاہدِ ملت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سربراہی میں جمعیت احرار کے مساعی جمیلہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔

یوں تو حضرت علامہ کشمیری کی بے پناہ کوششوں پر دلالت کرنے والے واقعات کثرت سے ملتے ہیں لیکن سب سے اہم واقعہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور ہے جو کہ ایک عورت نے اپنے قادیانی خاوند کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس کی پیروی آپؒ نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے ہمراہ کی، جن میں مفتی محمد شفیعؒ، سید مرتضیٰ حسنؒ، پروفیسر نجم الدینؒ، قابلِ ذکر ہیں۔

اس مقدمہ کے دوران آپؒ نے مسئلہ ختم نبوت پر شرعی دلائل دیتے ہوئے جب

---

[۱] نفحۃ العنبر ص ۲۰۴۔

متعدد مجتہدین اسلام کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ تواتر کا منکر کافر ہے تو قادیانیوں کے وکیل جلال الدین شمس نے یہ اعتراض کیا کہ آپ تو تواتر کے منکر کو کافر کہتے ہیں جبکہ بحر العلوم نے اصولِ فقہ کی مستند کتاب "مسلم الثبوت" کی شرح "فواتح الرحموت" میں لکھا ہے کہ امام رازیؒ تواتر معنوی کے منکر ہیں۔

اس پر شاہ صاحبؒ نے جج سے مطالبہ کیا کہ اس سے مذکورہ کتاب اور حوالہ طلب کیجئے اور پُرجوش انداز میں کہنے لگے " جج صاحب" یہ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ میں ایک طالب علم ہوں لیکن اس سے لاجواب نہیں ہوں گا اور فرمایا، تینتیس سال ہوئے ہیں، میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔ بحر العلوم نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ امام رازیؒ تواتر معنوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ" امام رازی رحمہ اللہ حدیث " لا تجتمع أمتی علی الضلالة" کے متواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے آپؒ نے " فواتح الرحموت" کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ جلال الدین شمس اپنی صریح غلط بیانی پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ آپؒ نے پانچ دن تک متواتر اپنا بیان جاری رکھا جو کہ بیان ازہر کے نام سے ساٹھ صفحات پر مشتمل مطبوع ہے۔ اس میں قادیانی کو قرآن و حدیث کی روشنی میں کافر قرار دیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے علامہ کشمیریؒ اور ان کے شاگردوں، ساتھیوں کی مساعی جمیلہ قبول فرما کر عدالت سے شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۶ھ میں تنسیخِ نکاح کا فیصلہ صادر فرمایا جو کہ وصیت کے مطابق آپؒ کی قبر پر سنایا گیا۔[1]

---

[1] الانور ص ۲۰۱، حیاتِ انور ص ۲۶۳۔ بیس بڑے مسلمان ص ۲۹۵، نقشِ دوام ص ۱۸۹۔

علامہ کشمیریؒ نے اس فتنہ کے خلاف کئی تصانیف تحریر کیں جن میں اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں: (۱) اکفار الملحدین۔ (۲) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔ (۳) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریمؑ۔ (۴) تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ چاروں کتابیں عربی زبان میں ہیں اور ایک کتاب "خاتم النبیین" فارسی زبان میں ہے۔[1]

آپؒ کے فرمان پر بعض تلامذہ اور دوستوں نے بھی اس کے خلاف کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا بدر عالم صاحبؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ اور سید مرتضیٰ احسن صاحب رحمہم اللہ جیسے علماء و شخصیات شامل ہیں۔

---

[1] تاریخ دار العلوم دیوبند ص ۶۷۔ الانور ص ۵۵۰۔

علم تفسیر میں شاہ صاحبؒ کا مرتبہ

حضرت شاہ صاحبؒ کا علم کسی ایک فن تک محدود نہ تھا بلکہ تمام علوم متداولہ میں انہیں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔ چنانچہ علم تفسیر میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پایاں ملکہ عطا فرمایا تھا۔

علامہ سیوطیؒ کے قول کے مطابق تفسیر کا حق صرف اس شخص کو ہے جو پندرہ علوم (لغت، نحو، صرف، اشتقاق، معانی و بیان، بدیع، اصول دین، قرأت، اسباب نزول، قصص، ناسخ و منسوخ، احادیث فقہ، اصول فقہ، علم وہبی) میں مہارت رکھتا ہو سب سے زیادہ اہم شرط عربی زبان کا ذوق ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے تفسیری نمونے دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان سب علوم کا مجموعہ تھے، تب ہی اللہ تعالیٰ نے اس نعمت لازوال سے آپ کو سرفراز فرمایا۔ دوسرے مفسرین کی طرح آپ نے اگرچہ کوئی تفسیر نہیں لکھی، مگر فیض الباری، مشکلات القرآن میں قرآنی مشکلات کے سلسلے میں جو اہم کارنامہ انجام دیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، صرف ایک موضوع کے بارے میں شاہ صاحب کا نقطۂ نظر پیشِ خدمت ہے۔

ناسخ و منسوخ

یہ ایک طویل و دقیق بحث ہے پورے موضوع کا احاطہ کرنا میرے بس کی بات نہیں، اس لیے صرف شاہ صاحب کی تحقیق ظاہر کرنے کے لیے مختصراً عرض ہے کہ ناسخ و منسوخ کی یہ اصطلاح وسیع معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ بحث علوم اسلامی کی طرح دوسرے ادیان میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ عیسائی مذہب میں ناسخ و منسوخ کا جو غلط مفہوم رائج ہے، اسی کو اسلام کے ناسخ و منسوخ کے مسئلہ پر بھی چسپاں کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔

مثلاً سرسید لکھتے ہیں" اگرچہ نسخ کا آسان عقیدہ قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے مگر مسلمان اس اجتماع ضدین کی تطبیق کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں، تاہم بمجبوری ان کو معترف ہونا پڑا ہے کہ قرآن کی ۲۵۰ آیتیں منسوخ ہیں[1]"

شیخ ابن حزم نسخ کے قائل نہ تھے[2]

جلال الدین سیوطیؒ نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ مانا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ کہا ہے۔

نواب صدیق حسن خان نے کسی آیت کو منسوخ تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور تائید میں متقدمین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

---

[1] خطبات احمدیہ ص ۳۴۶ ۔ سرسید احمد خان کراچی ۱۹۶۴ء

[2] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۹ ۔ مطبوعہ مصر ۱۳۴۵ھ ۔

شاہ صاحب کی رائے

ائمہ سلف کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ قرآن کریم کی کتنی آیتیں منسوخ ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان کے نزدیک نسخ بہت کثرت سے واقع ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مطلق کو مقید کرنے اور عام کو خاص کرنے کا نام بھی نسخ رکھتے ہیں، اس صورت میں نسخ کی مقدار یقیناً زیادہ ہوگی۔ متاخرین نے مزید تحقیق کی تو نسخ کی مقدار بہت کم ہوگئی۔ شاہ ولی اللہؒ نے تو پانچ آیتوں کو منسوخ لکھا ہے۔

لیکن حقیقت میں قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں کیونکہ نسخ سے میری مراد یہ ہے کہ وہ تمام امور جن پر آیت مشتمل ہے اس طرح سے ختم ہو جائیں کہ کسی لفظ اور کسی جزو پر بھی عمل باقی نہ رہے۔ اس طرح کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے جو لوگ نسخ کے قائل ہوتے ہیں وہ محض اس وجہ سے کہ وہ آیت کی غایت وانتہا سمجھنے سے قاصر رہے اگر ذرا تدبر اور غور وفکر سے کام لیتے تو یقیناً نسخ کا انکار کر دیتے[1] مولانا حسین علی رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ متفق ہیں۔

---

[1] مشکلات القرآن ص ۲۹، فیض الباری ج ۱ ص ۲۵۹۔

علمِ حدیث میں شاہ صاحبؒ کا مرتبہ

حضرت شاہ صاحبؒ کا سلسلہ حدیث مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمود الحسنؒ کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی تک پہنچتا ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہم ولی اللہی ہیں۔ ہمارے دینی اسناد حضرت شاہ ولی اللہؒ سے متصل ہیں۔ اسی اعتبار سے ہم شاہ صاحبؒ کی اولاد اور وہ ہمارے مورثِ اعلیٰ ہیں"۔

یہ خاندان ایک ایسی سعادت کا مالک ہے جس کے اسلامی علوم کے چشمے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلامی میں پھوٹ کر دار العلوم دیوبند کی صورت میں نمودار ہوتے۔

جب فقہ الحدیث پر کلام فرماتے تو نہایت مدلل انداز میں مذاہب اربعہ ذکر کرکے راجح مذہب کی وجوہ ترجیح بیان فرماتے اور اس میں محدثین کے اقوال ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا کرتے۔ سب سے پہلے ائمۂ مجتہدین پھر مشائخ عظام کے اقوال نقل کرکے اختلاف کے اسباب بھی بیان فرماتے۔ کبھی کبھی متقدمین کے اقوال پر ان کی علمی شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تنقید کرتے لیکن طلبہ کو ان کی شان میں بے ادبی کرنے پر تنبیہ فرماتے۔ آپ نحوی مباحث و بلاغی مسائل میں اکابر کے اقوال نقل فرماتے مثلاً نحو میں سیبویہ کے اور بلاغت میں شیخ عبد القاہر جرجانی اور علامہ زمخشری کے اور لغت میں امام جوہری و زمخشری کے اقوال نقل فرماتے تھے[1]

---

[1] الانور ص ۲۴۳، ۵۹۸، مقدمہ انوار الباری ج ۲، ص ۲۴۰، فیض الباری ج ۱ ص ۲۱

آپؒ کا کلام نہایت مختصر ہوتا تھا، اسی وجہ سے مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں "علامہ کشمیریؒ کے ایک ایک جملہ کی تشریح کے لئے بسا اوقات ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی تھی" [۱] چونکہ علامہ صاحبؒ کا کلام ہر باب کی جامع تشریح پر مشتمل ہوتا تھا۔

گویا آپؒ کے حلقہ درس میں بیٹھ کر محدثین سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی جب متون حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امام طحاویؒ یا امام بخاریؒ و مسلمؒ بول رہے ہیں۔ فقہ الحدیث پر بولتے تو امام محمدؒ معلوم ہوتے۔ حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تفتازانی اور جرجانی کا خیال گزرتا، اسرار شریعت بیان کرتے تو ابن عربیؒ و شعرانیؒ کا گمان ہوتا تھا۔

درس صحیح بخاری کی چند امتیازی خصوصیات

آپؒ کی عام عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ تدریس شروع کرنے سے پہلے وضو فرما لیتے پھر درس حدیث کے لئے پُروقار انداز میں تشریف رکھتے۔ آپؒ چٹائی پر بیٹھ کر تعلیم پسند فرماتے۔ دوسری جامعات اور مدارس کی طرح کرسیوں پر تعلیم کو قطعاً ناپسند فرماتے۔ آپؒ طلبہ میں بہترین قوتِ علمیہ راسخ کرنے کی انتہائی کوشش فرماتے تاکہ وہ اس کے ذریعہ تمام مسائل و مشکلات صحیح طریقہ سے حل کرسکیں۔

جب آپؒ درس دینے کے لئے تشریف رکھتے تو اکثر شروحِ حدیث اپنے پاس رکھتے تاکہ مسائل کے حل میں آسانی ہو، ان میں سے جس شرح کی ضرورت ہوتی

---

[۱] حیات انور ص ۱۲۸۔ [۲] نفحۃ العنبر ص ۱۰۱، فیض الباری ج ۱، ص ۲۱۔

ایسی سرعت سے منتخب فرما لیتے گویا وہ تمام شروح آپ کی نظروں میں ایک ہی ورق ہے۔ سب سے پہلے حدیث کی لغوی تشریح اور نحوی اور بلاغی تحقیق کر کے موضوعِ حدیث کی تشریح فرماتے اور شارحین کے کلام کا خلاصہ بیان کر کے ایسی جامع تشریح کرتے کہ طالب علم مطمئن ہو جاتے اور ہر ایک فن میں ایسا مدلل بیان فرماتے گویا آپؒ اس فن کے بانی ہیں۔[1]

آپ کے درسِ حدیث میں رنگِ تحدیث غالب تھا۔ فقہ حنفی کی خدمت بصورتِ تائید و ترجیح بلاشبہ آپ کی زندگی تھی لیکن رنگ محدثانہ تھا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے لیکن اندازِ بیاں سے یہ کبھی مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں بلکہ یہ واضح ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکمِ حدیث قبول کر رہے ہیں۔ گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے۔

علامہ سید رشید رضاؔ جب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے خطاب میں دارالعلوم کے علمی مسلک پر بھی روشنی ڈالی تھی جس کا اہم جزو یہ تھا کہ ہم تمام مختلف فیہ مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ رشید رضا نے تقریر کے دوران تعجب آمیز لہجہ میں کہا کہ ”کیا سارا ذخیرہ حدیث صرف فقہ حنفی ہی کی حمایت کے لئے ہے“۔ شاہ صاحبؒ نے خطاب کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں تو ہر حدیث میں وہی نظر آتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے سمجھا اور کہا ہے۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے مختلف فیہ مسائل کی مختلف مثالیں بھی دیں۔

---

[1] مقدمہ انوار الباری ج ۲، ص ۲۴۴، فیض الباری، ج ۱، ص ۲۲۔

خاص خاص مواضع میں حدیثِ نبویؐ کا ماخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے۔ اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کو حل فرمادیتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے گویا یہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لئے موجب طمانیت ہوتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام شافعیؒ کی تائید میں جا بجا امام طحاویؒ کے اقوال و استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری کوشش کرتے کہ امام طحاویؒ کا جواب ضرور ہو جائے گویا بغیر جواب دیئے گزرنے کو حافظ عسقلانیؒ یہ سمجھتے کہ میں نے حقِ شافعیت ادا نہیں کیا۔ درس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ مسائل فقہیہ میں بغیر حافظ ابن حجرؒ کا جواب دیئے نہ گزریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی تبحر کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث تک محدود نہ رہتا تھا بلکہ لطیف پیرایہ میں ہر علم و فن کی بحث آجاتی تھی۔ یعنی آپ کا درس حدیث، فقہ، تاریخ و ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ریاضی، سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا۔

تفرداتِ کشمیریؒ

علامہ کشمیریؒ نے تواتر کی ایک تقسیم بیان فرمائی ہے جو کہ آپؒ سے پہلے کسی نے بھی اس ترتیب سے بیان نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم آپؒ سے پہلے اس ترتیب کے ساتھ کسی نے بیان نہیں کی۔ لہٰذا یہ علامہ کشمیریؒ ہی کے تفردات میں سے ہے[1] وہ یہ کہ تواتر کی چار قسمیں ہیں:

---

[1] فتح الملہم ج ۱ ص ۶، نفحۃ العنبر ص ۱۴۵، نقش دوام ص ۳۸۹۔

۱۔ **تواتر الاسناد:** حدیث کو شروع سے آخر تک ایسی جماعت روایت کرے جس کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو اسی کو تواتر محدثین بھی کہتے ہیں، جیسے حدیث شریف: "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" متواتر الاسناد ہے۔

۲۔ **تواتر الطبقہ:** وہ کلام جو ہم تک جماعت کی صورت میں پہنچا ہو جیسے تواتر قرآنِ کریم، کہ اس کو مشرق و مغرب میں ہر مسلمان پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے اور اسی طرح دوسروں کو منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس میں سند کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔

۳۔ **تواتر العمل والتوارث:** ایک ایسا عمل جس پر حضور نبی کریم کے زمانے سے آج تک ایک بڑی جماعت عمل کرنے والی ایسی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو جیسے مسواک کرنا، پانچ وقت نماز ادا کرنا وغیرہ۔

۴۔ **تواتر القدر المشترک:** جو لفظ کے لحاظ سے مختلف ہو اور معنی کے لحاظ سے ایک ہو، جیسے ایک روایت میں ہے کہ حاتم نے سو دینار کسی کو ھبہ کئے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے سو اونٹ صدقہ کئے ہیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ اس نے ایک ہزار درہم صدقہ کئے ہیں۔ حاتم کی سخاوت کے بارے میں یہ روایتیں تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ یہی تواترِ قدرِ مشترک ہے۔ اور اس میں قدرِ مشترک حاتم کی سخاوت ہے۔

بندہ کی ناقص رائے میں بھی یہ تقسیم علامہ کشمیریؒ کی تفردات میں سے ہے چونکہ بندہ نے حافظ الخطیب البغدادیؒ، حافظ ابن الصلاح، جلال الدین سیوطیؒ

حافظ ابنِ حجرؒ، ڈاکٹر صبحی صالحؒ، ڈاکٹر جمال الدین قاسمیؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، لیکن اس ترتیب سے یہ تقسیم نہ مل سکی، واللہ اعلم بالصواب۔

تخریج احادیث اور علم رجال :

علامہ کشمیریؒ درسِ حدیث کے دوران پورے اہتمام سے سند کی تحقیق کر کے تخریج فرماتے۔ خصوصی طور پر حنفیہ مذہب کے دلائل میں تحقیق و تدقیق سے کام لیا کرتے تھے۔ آپؒ حنفی مقلد ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقِ مسائل کے دوران تعصب سے کام نہ لیتے بلکہ مجتہدانہ تحقیق کر کے مذہبِ راجح کی وجوہِ ترجیح بیان کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات حافظ ابنِ حجرؒ پر علمی تنقید کر کے فرماتے کہ جب حافظ ابنِ حجرؒ حنفی مستدلات کے رواۃ کو مجروح کرنے کے لئے کوئی عیب نہ پاتے تو کہہ دیتے کہ یہ راوی تارک الجماعۃ تھا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے حرم نبوی کے قریب کئی سال گزارے لیکن نماز باجماعت نہ پڑھ سکے۔ جب وطن واپس ہوئے تو کسی نے جماعت میں عدم شمولیت کی وجہ دریافت کی۔ امام مالکؒ نے جواب میں فرمایا کہ بعض اعذار ناقابلِ بیان ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود امام مالکؒ کی ثقاہت و عدالت میں کچھ کمی نہیں آئی۔[1]

آپؒ نے اپنی تحقیق کے دوران حدیثِ صحیح کو چار قسموں کی طرف تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ حدیث جس کے راوی عدالت و اتقان و ضبط میں مثالی حیثیت رکھتے ہوں اور شذوذ و علت سے پاک ہونے کے ساتھ سلفِ صالحین کا عمل اس کے موافق ہو۔

---

[1] الانور ص ۴۵۱، نقشِ دوام ص ۲۹۲۔

۲۔ وہ حدیث جس کے رواۃ کو ائمۂ حدیث میں سے کسی امام نے عادل ثقہ متقن قرار دیا ہو۔

۳۔ جو حدیث ان کتابوں میں پائی جائے جن میں صحت حدیث کا التزام کیا گیا ہو جیسے صحیح ابن السکن، صحیح ابن حزیمہ، صحیح ابن ابی عوانہ۔

۴۔ وہ حدیث جو ان کتابوں میں موجود ہو جس کے راوی ثقہ ہوں اور مجروح نہ ہوں[1]

آپؒ کی تحقیق وتخریج کی چند مثالیں:

۱۔ چند احادیث کے سندوں میں ابن طلحہؓ اور ابن ابی طلحہؓ کا ذکر آتا ہے عام محدثین انہیں دو راوی تصور کرتے ہیں۔ علامہ کشمیریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ ایک ہی راوی کے دو نام ہیں۔ وہ معدان ابن طلحہؓ ہیں۔ اسی طرح دوسری حدیثوں کے بعض سندوں میں عبداللہ بن بکر اور عبداللہ بن ابی بکر کا نام آتا ہے۔ بعض محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ ایک ہی راوی کے دو نام ہیں، لیکن شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ دو راویوں کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں[2]

۲۔ سیرت کی کتابوں میں ایک راوی "ذوالخویصرہ" سے دو مختلف حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث سے ذوالخویصرہ بدبخت معلوم ہوتا ہے اور دوسری سے نیک بخت۔ علامہ کشمیریؒ کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں حدیثیں ایک راوی سے مروی نہیں بلکہ دونوں حدیثیں دو مختلف راویوں سے مروی ہیں۔ ایک تمیمی سے جو کہ بدبخت ہے جبکہ دوسرا ایمانی جو کہ نیک بخت ہے[3]

---

[1] نفحۃ العنبر ص ۱۴۵، الانور ص ۵۱۴، نقش دوام ص ۲۹۲۔ [2] نقش دوام ص ۲۹۲۔
[3] حاشیہ صحیح البخاری ج ۲، ص ۹۱۱، کتاب الادب۔

۳۔ آپؒ نے فرمایا کہ علماء رجال نے مطلقاً عبدالرحمان بن اسحاق کو مجروح قرار دیا ہے حالانکہ عبدالرحمان بن اسحٰق ایک نہیں دو ہیں۔ ایک عبدالرحمان ابن اسحاق واسطی جو حقیقت میں مجروح ہے، جبکہ دوسرا مدنی ہے جو کہ ثقہ و عادل ہیں۔ تعلیقاتِ بخاری میں ان سے دو حدیثیں مروی ہیں اور امام مسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے۔[۱]

فقہی احادیث میں تحقیق

علامہ کشمیریؒ کو فقہی احادیث کے سمجھنے میں نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ چند احادیث کا مفہوم اور تطبیق بطورِ نمونہ مختصراً تحریر ہے۔

(۱) حدیث شریف میں ہے " المستحاضة تتوضأ لكل صلاة "۔ اس حدیث کے مفہوم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعیہ کا قول ہے کہ مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ دلیل یہی حدیث ہے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس پر ہر وقت نماز کے لئے وضو واجب ہے۔ مذکورہ حدیث کے جواب میں علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وقت نماز ہے اور حضور نبیؐ نے وقت کو نماز سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اہلِ عرف نے اوقات کو نمازوں کا نام دے رکھا تھا، اس توجیہ کے ساتھ یہ حدیث حنفیہ کی موافق ہوگئی۔[۲]

---

[۱] نقشِ دوام ص ۲۹۴۔

[۲] فیض الباری ج ۱، ص ۲۳، ۳۲۲، نفحۃ العنبر ص ۵۲، معارف السنن محمد یوسف بنوریؒ ج ۱ ص ۴۲۵

(۲) جب کسی حدیث کا مقصد متعین ہو اور امام ابو حنیفہؒ سے اس کے موافق روایت نہ ہو، اور صاحبین یا ان میں سے کسی ایک سے اس کے موافق روایت موجود ہو تو علامہ کشمیریؒ صاحبین کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اسے حنفیہ کا مذہب مختار گردانتے ہیں، جیسے مسئلہ خمر، اس میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً شراب حرام قرار دے رہے ہیں، چاہے شراب انگور کا ہو یا کسی اور چیز کا، تھوڑا ہو یا زیادہ۔ نشہ آور ہو یا نہ ہو۔ یہی جمہور فقہاء اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے۔ حضرت شاہؒ نے اسی کو ترجیح دیتے ہوئے اسے حنفیہ کا مذہب مختار تسلیم کیا ہے۔[۱]

(۳) علامہ کشمیریؒ بعض فقہاء احناف کی طرح اپنے مسلک پر قائم رہنے کے لئے ہر وقت تخصیص نص کی کوشش نہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا" الآیۃ[۲]

ائمہ کرام کا اس آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے، شافعیہ فرماتے ہیں کہ کافر کے لئے مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، مالکیہ مطلقاً منع فرماتے ہیں، حنفیہ مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور مذکورہ آیت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں کو آئندہ سال سے حج و عمرہ کے لئے منع کرنا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب "السیر الکبیر" میں لکھا ہے کہ "تمام مساجد میں کافروں کا دخول منع ہے"۔ اس طرح آپؒ نے حنفیہ کا مختار قول چھوڑ کر امام محمدؒ کا قول راجح قرار دے کر آیت کی تخصیص نہ فرمائی اس لئے کہ یہ توجیہ قرآن کریم

---

[۱] نفحۃ العنبر ص ۶۲، ۲۸۶، فیض الباری ج ۱ ص ۲۴۔
[۲] سورۃ التوبہ آیت ۲۸۔

کے موافق ہے گو مسلکِ شافعیہ و مالکیہ کے بھی قریب ہے۔[۱]

④ صحیح البخاری کے باب بدء الوحی میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ"[۲]

اس حدیث کے مفہوم میں فقہاء کا اختلاف ہے، شافعیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر کارِ خیر میں نیت کا وجود ہے۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اچھی اور بری نیت کا فرق واضح کرنا ہے۔ علامہ کشمیریؒ حنفیہ کے قول کو ترجیح دے کر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فاسد اور صحیح نیت کی تفصیل کرنا ہے، اس لئے کہ حضور کریمؐ کا فرمان ہے " ومن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ" یعنی اعمالِ خیر کے قبولیت کی دارومدار نیت پر ہے۔ اگر نیک اعمال سے مراد خالص اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو مقبول ہیں اور اگر ریاکاری کی نیت ہو تو مردود ہیں[۳]

⑤ جب ایک حدیث کئی طرق سے روایت ہوتی تو علامہ کشمیریؒ اس حدیث کے تمام الفاظِ مختلفہ کو یکجا جمع کرتے، اگر ان کے درمیان تطبیق ممکن ہوتی تو تطبیق فرماتے ورنہ جس مذہب کے دلائل راجح ہوتے اسے ترجیح دے دیتے۔

---

۱ نفحۃ العنبر ص ۶۳۔ ۲ صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۲۱۔

۳ فیض الباری ج ۲، ص ۲۲، نفحۃ العنبر ص ۲۸۔۶۱، معارف السنن محمد یوسف بنوری ج ۲ ص ۱۴۶، ۱۴۰

مثلاً ایک حدیث کے مفہوم میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے کہ یہ حدیث معذور کے بارے میں ہے یا مسبوق وہ حدیث یہ ہے:

" قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ادرک رکعۃ من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح "[1]

ائمۂ ثلاثہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث معذور کے ساتھ خاص ہے۔ حنفیہ کے اقوال مختلف ہیں۔

(۱) اس سے معذور مراد ہے۔ (۲) مسبوق مراد ہے۔

علامہ کشمیریؒ نے حنفیہ کے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد مسبوق ہے، اس لئے کہ حدیث میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو ائمۂ ثلاثہ کی دلیل بن سکے[2]

آپؒ نے اس کے لئے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے چند احادیث یہ ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت ان لفظوں میں ہے: " من ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ " اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ مع الامام فقد ادرک الصلوٰۃ "[3]

امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں باب یدرک الامام ساجداً کیف یصنع " کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے: " من ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ "[4]

امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں " باب من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ کے تحت سالم سے یہ حدیث نقل کی ہے " من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فی

---

[1] صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۲۱۔ [2] فیض الباری ج ۲، ص ۲۳، نفحۃ العنبر ص ۶۱-۲۸، معارف السنن محمد یوسف بنوری ج ۲، ص ۱۴۶، ۱۶۰۔ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۶۔ [4] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۶

الصلوات الخمس فقد ادرکہا[1]

بندہ کی ناقص رائے میں اس حدیث سے مراد حنفیہ کا پہلا قول یعنی معذور ہے، جیسے ائمۂ ثلاثہ کا قول ہے۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "قبل ان تطلع الشمس" اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ صبح کی نماز عام طور پر طلوعِ شمس سے اتنی دیر پہلے ہوتی ہے جس میں آدمی دوبارہ اپنی نماز پوری کرسکتا ہے۔ طلوعِ شمس سے تھوڑی دیر پہلے جاگنے والے کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ وہ وضو کرکے فوری نماز پڑھے۔ اگر ایک رکعت طلوعِ شمس سے پہلے پڑھ لی تو نماز ادا سمجھی جائے گی ورنہ قضاء، لیکن اس کی نماز طلوعِ شمس سے فاسد نہیں ہوگی، چونکہ وہ معذور ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ استدلال میں جتنی احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے صحیح مسلم کی دوسری روایت کے علاوہ تمام روایات مسبوق کے معنی پر صراحتہً دلالت نہیں کرتیں چونکہ وہ عام ہیں، لہٰذا ائمۂ ثلاثہ کے قول کے مطابق حدیث کی صحیح مراد معذور ہے۔

(۶) جب کسی مسئلہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مختلف روایات ہوں اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بھی مختلف اقوال نقل ہوں تو حضرت کشمیریؒ امام صاحب کے ہر قول کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہر حدیث پر محمول فرما لیتے جو اس کے موافق ہوتا اور فرماتے کہ جس قول پر بھی عمل کرلیں وہ صحیح ہے، لیکن اگر حدیث ایک ہو اور امام صاحب کے اقوال زیادہ ہوں تو علامہ صاحب ان اقوال میں سے

---

[1] سنن نسائی۔ ص ۹۵۔

وہ قول بلاتردد قبول کر لیتے جو حدیث صریح کے موافق ہو، خواہ وہ حنفی مذہب کے خلاف ہو۔

⑦ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث مروی ہوں اور کوئی حدیث آپؐ کے حتمی فیصلہ پر دلالت نہ کرتی ہو تو حضرت کشمیریؒ اس حدیث کو ترجیح دیتے جو علمائے احناف کے نزدیک راجح ہو جیسے آذان میں ترجیع اور آمین کے سری اور جہری کہنے کے متعلق احادیث مروی ہیں۔ جن میں دونوں کی گنجائش ہے۔ علامہ صاحب ان میں حنفی مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔

⑧ اکثر حنفی علماء و فقہا مطالعہ کے دوران صرف شروحِ احناف پر اکتفا کرتے ہیں، ایسے علماء بہت کم ہیں جو دوسرے فقہ کی کتب و شروح کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ کرتے ہوں۔ حضرت کشمیریؒ کی عادت یہ تھی کہ تمام فقہوں کی شروح کا مطالعہ فرماتے اور جب کبھی کوئی قوی دلیل نظر آجاتی اسے ترجیح دے دیتے۔

مثال کے طور پر آپ نے دوسرے مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک حدیث کا مفہوم متعین کرنے میں امام مالکؒ و شافعی رحمہ اللہ کے اقوال کو ترجیح دی اور حنفیہ کا قول مرجوح قرار دیا وہ حدیث یہ ہے: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجمع بین متفرق و لا یفرق بین مجتمع مخافۃ الصدقۃ" [۱]

امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے خلطۃ الشیوع یعنی ملکیت میں اشتراک مراد لیا ہے۔ اور امام مالکؒ و شافعی رحمہ اللہ نے اس سے خلطۃ الجوار یعنی چراگاہ، دودھ دوہنے کی جگہ، پانی اور چرواہے میں اشتراک مراد لیا ہے۔

---

[۱] جامع ترمذی ج ۱، ص ۹۹۔

علامہ کشمیریؒ نے حدیث "والخلیطان ما اجتمع علی الحوض والراعی والفحل"[1] سے استدلال کرتے ہوتے خلطۃ الجوار کو ترجیح دی ہے۔[2]

⑨ حافظ ابن حجرؒ سے فجر کی سنتوں کے بارے میں حدیث کی مراد سمجھنے میں سہو ہوا ہے حالانکہ فجر کی سنتوں کے بارے میں ترمذی ص۵۲ پر یہ حدیث ہے "من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلہما بعد ما تطلع الشمس" یہ حدیث مسند احمد و دارقطنی میں پانچ طریقوں سے ثابت ہے، اس کے علاوہ تین سنن بیہقی، دو صحیح ابن حبان، دو مستدرک حاکم اور ایک ایک طبقات ذہبی نسائی کی سنن کبریٰ اور طحاوی میں ہیں ان سب کا مدار حدیث قتادہ ہے۔"

ان کے علاوہ بہت سی مثالیں ہیں، یہاں صرف انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[1] التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، محمد شمس الحق العظیم آبادی ج ۲ ص ۱۰۴۔

[2] فیض الباری ج ۳ ص ۱۸ - ۲۸۔ نفحۃ العنبر ص ۶۰، معارف السنن ج ۵ ص ۱۸۸ - ۱۹۲۔

علم فقہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا مرتبہ

حدیث " من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقّھہ فی الدّین" کے مطابق اللہ تعالیٰ نے علامہ کشمیری کو تفقہ فی الدین کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا۔ اس میں جو قوت و فراست آپ کو عطا کی گئی تھی وہ آپ ہی کا حصّہ تھی۔ اس کے باوجود ایک مرتبہ آپ نے فقہ کے بارے میں فرمایا "میرے نزدیک فقہ سے مشکل ترین فن کوئی نہیں۔ جملہ فنون میں میری ایک رائے اور تجربہ ہے کہ جس کی وجہ سے میں فیصلہ کرتا ہوں اور ائمہ فن کے اقوال میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں انتخاب کرتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے ان کے راویوں پر تفریع کرتا ہوں اور کسی کی تقلید کا محتاج نہیں ہوں لیکن فقہ میں مقلد محض ہوں۔ امام صاحب کی روایت کے سوا کوئی رائے نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے فتویٰ دینے میں مجھے بڑی دشواری پیش آتی ہے کیونکہ لوگوں کے سامنے ایک قول کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور میرے پیشِ نظر امام یا مشائخ کے متعدد قول ہوتے ہیں پھر کبھی تصحیح میں بھی اختلاف ہوتا ہے اور میں اصحاب ترجیح میں سے نہیں ہوں۔ میں ایسے وقت میں مذاہب ائمہ اور آثار سلف اور سنت سے قریب تر جو قول ہوتا ہے اس پر فتویٰ دیتا ہوں۔"

حضرت شاہ صاحبؒ اور ایک عالم اہلِ حدیث کے درمیان ایک بار مناظرہ ہوا۔ اہلِ حدیث عالم نے پوچھا، کیا آپ امام ابو حنیفہؒ کے مقلّد ہیں، فرمایا، نہیں،

میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی کی ہی تائید کر رہے ہیں، پھر مجتہد کیسے؟ فرمایا یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد مکمل طور پر امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مسائل فقہیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ مقلّد ضرور رہیں مگر محقق فی التقلید ہیں اور تمام مسائل اجتہادیہ میں جہاں تقلید کرتے ہیں وہاں مسائل کی تمام قرآنی اور حدیثی بنیادوں کی تحقیق بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔ تمام اکابر دیوبند امام ابوحنیفہ کے مقلّد تھے لیکن محقق بھی تھے کسی مسئلہ کو بغیر تحقیق کئے قبول نہ کرتے تھے۔

ایک امریکی مصنّف اپنی معروف کتاب "MODEREN INDIA" میں زیرِ عنوان "دیوبندیوں کا اسلام" لکھتے ہیں "حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ لوگ (اہل دیوبند) اپنے آپ کو مقلّد کہتے ہیں مگر ساتھ ہی ہر مسئلہ کو پورے محققانہ انداز سے بیان کرتے ہیں اور مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ایسی تنقیح و تحقیق کرتے ہیں کہ وہ اس دعویٰ تقلید کے ساتھ ساتھ بے ساختہ مجتہد بھی نظر آنے لگتے ہیں۔"

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر دنیا کے کسی گوشے میں چاند دیکھا جائے تو دوسرے تمام مقامات پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً مغرب والوں نے رمضان کا چاند ایک دن دیکھا تو اگر شرعاً قابلِ اعتبار ذریعے سے اس کی اطلاع مشرق والوں کو ہوگئی تو ان کو بھی اسی حساب سے روزہ رکھنا ہوگا۔ چونکہ حنفیہ کے ہاں اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں اور شافعیہ کے ہاں اعتبار ہے۔ حنفیہ کے ہاں عموماً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق اس میں یہ ہے کہ عام مصنفین سے اس کی تعبیر میں لغزش ہوئی ہے اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک ملک میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ فرماتے تھے کہ مشرق و مغرب کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا بدیہی طور پر غلط ہے۔

فروعی مسائل کے بارے میں علّامہ کشمیریؒ کا طرزِ فکر

حضرت کی ساری زندگی علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گزری۔ مگر پھر بھی یہ افسوس کرتے کہ ساری عمر ضائع ہو گئی۔

مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا، حضرت کیسا مزاج ہے، فرمایا، مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔ میں نے پوچھا، وہ کیسے، فرمایا، اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہؒ کو نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ مخلوق کے بہت بڑے حصّے کو لگا دیا ہے۔ جنہوں نے نورِ ہدایت ہر طرف پھیلا دیا ہے۔ جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہؒ نے سچ کہا تھا یا امام شافعیؒ نے غلط کہا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہو گا۔ تو جس چیز کو نہ دنیا میں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں اور نہ محشر میں۔ اس کے پیچھے

پڑکر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور اسلام کی صحیح دعوت کو عام کرنے کا جو ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ ضروریاتِ دین جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے ہیں اور اپنے اور اغیار ان کے چہرے مسخ کر رہے ہیں۔ منکرات پھیل رہے ہیں، گمراہی آرہی ہے، الحاد آرہا ہے لیکن ہم فروعی بحثوں میں لگے ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔"

فقہی مسائل میں تحقیق

آپ نہایت تدبر و احتیاط سے ہر مذہب کے دلائل کی رعایت رکھتے ہوئے فقہی مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہی ہمارے اکابر و اسلاف کا طریقہ تھا کہ افراط و تفریط دونوں سے بچتے ہوئے امر وسط اختیار کیا کرتے تھے۔ آپ سب سے پہلے مختلف دلائل فقہیہ کے درمیان تطبیق کی کوشش فرماتے۔ تطبیق نہ ہونے کی صورت میں جس مذہب کے دلائل راجح ہوتے تو اسے ترجیح دیتے۔ اکثر و بیشتر حنفیہ کے دلائل کو ترجیح دیتے تھے لیکن یہ ترجیح حنفی ہونے کی بنا، پر نہ ہوتی بلکہ دلائل حنفیہ کے قوت کی بنا، پر ہوتی تھی۔ آپ نے اکثر مسائل فقہیہ میں تحقیق کی ہے لیکن ان تمام مسائل کا حصر مقصود ہے اور نہ بندہ کے لئے ممکن ہے اس لئے صرف چند مسائل بطور نمونہ پیشِ خدمت ہے۔ جن سے آپ علامہ کشمیریؒ کے تحقیق کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

۱۔ مسئلۂ تیمّم

فقہاء کے مذاہب :

اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ تیمم میں چہرے اور ہاتھوں کے لئے کلائیوں تک ایک ضرب ہے۔ امام مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ فرماتے ہیں کہ دو دفعہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے ایک چہرہ کے لئے، دوسرا ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک، اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

سببِ اختلاف

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ تیمم کے بارے میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ بعض احادیث میں دو ضرب، بعض میں ایک ضرب، بعض میں مطلق ضرب، بعض میں کفین، بعض میں مرفقین اور بعض میں مطلق یدین کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں قوی وضعیف دونوں قسم کی احادیث ہیں[۱]

---

[۱] فتح الباری شرح صحیح البخاری، حافظ ابن الحجر عسقلانی ج ۲، ص ۲۶۵۔

مذاہب کے دلائل

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جس میں حضورؐ نے انہیں فرمایا کہ "انما کان یکفیک ھکذا فضرب النبیؐ بکفیہ الی الارض ونفخ فیھما ثم مسح وجھہ وکفیہ"[۱] کہ آپ نے تعلیم کے دوران چہرہ اور ہاتھوں کے لئے ایک ہی ضرب پر اکتفا کیا ہے۔

ائمۂ ثلاثہ وغیرہم نے حدیث جابر و ابوجہیم سے استدلال کیا ہے۔ حدیث جابرؓ یہ ہے: "عن جابرؓ عن النبیؐ انہ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین"[۲]

حدیث ابی جہیمؓ: عن عمیر مولی ابن عباسؓ قال اقبلت انا و عبد اللہ بن یسار مولی زوج النبیؐ حتی دخلنا علی ابی جہیم الانصاری فقال ابوجہیم :- اقبل النبیؐ من نحو بئر جمل فلقیہ رجل فسلم علیہ، فلم یرد علیہ النبیؐ حتی اقبل علی الجدار فمسح بوجھہ و یدیہ ثم رد السلام"[۳]

---

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۱ [۲] التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۸۱۔ [۳] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۱۔

حدیث جابر پر اعتراض اور آپ کی تحقیق

امام دار قطنی نے لکھا ہے کہ حدیث جابر کے رجال سند ثقہ ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔[1]

علامہ صاحب نے تحقیق کی اور کہا کہ اس حدیث کو موقوف کہنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث اصل میں اس حدیث کا خلاصہ ہے جو امام طحاویؒ نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے۔[2]

"عن جابرؓ قال اتاه رجل فقال اصابتني جنابة واني تمعكت في التراب فقال أصرت حمارا ضرب بيديه الى الارض فمسح بيديه إلى المرفقين وقال هكذا التيمم" اس حدیث میں "اتاه" کی ضمیر حضور عربیؐ کی طرف لوٹا دی جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے چونکہ حضرت جابرؓ صرف وہ واقعہ نقل کر رہے ہیں جو حضورؐ اور اس آدمی کے درمیان پیش آیا تھا۔[3]

لہٰذا یہ حدیث مرفوع ہے۔

---

[1] اعلاء السنن، علامہ ظفر احمد عثمانی ج ۱، ص ۲۲۱ التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی ج ۱، ص ۱۸۱۔

[2] شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱، ص ۸۱۔

[3] فیض الباری ج ۱، ص ۴۰۸۔

حدیث عمارؓ کے بارے میں تحقیق

اس حدیث سے امام احمد بن حنبلؒ نے استدلال کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان کا مستدل بہ نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ یہ حدیث کئی طرق سے وارد ہوئی ہے۔ ان طریقوں کے تمام الفاظ جمع کر کے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو دو واقعات پیش آئے ہیں۔

(۱) حضور عربی ایک سفر میں تھے جب کہ حضرت عائشہؓ سے ہار گم ہو گیا تھا۔ اس کی تلاش میں کافی وقت لگا اور ان کے پاس پانی نہ تھا۔ اس سفر میں آیۃ الرخصۃ "فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیبا" کا نزول ہوا۔ اس سے صحابہ کرامؓ کو صرف تیمم کی اجازت مل گئی لیکن کیفیت تیمم کا علم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ نے مختلف طریقوں سے تیمم کیا۔ جیسا کہ امام طحاویؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس میں "منھم من تیمم الی الکف ومنھم من تیمم الی المنکب والابط" کے الفاظ ہیں[1]

جب اس عمل کی خبر حضور عربی کو پہنچی تو آیت تیمم "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ" نازل ہوئی۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کا کیفیت تیمم میں اختلاف کے بعد آیت تیمم کا نزول ہوا جس میں کیفیت کی وضاحت کی گئی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیمم کا اصل حکم نازل ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ کا کیفیتِ تیمم

---

[1] شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۸۰

میں اختلاف تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا قول " فانزل آیۃ التیمم "
میں کیفیت تیمم کا نزول تھا نہ کہ اصل تیمم کا حکم۔ پھر صحابہ کرامؓ کو اس سے حدثِ
اصغر کے تیمم کا طریقہ معلوم ہوگیا لیکن حدثِ اکبر میں تیمم کیا ہو یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

۲۔ پھر حضرت عمارؓ اور حضرت عمرؓ کو واقعہ پیش آیا۔ ایک دفعہ دونوں سفر میں تھے،
غسل جنابت کی ضرورت پڑی لیکن پانی نہیں تھا۔ حضرت عمارؓ نے زمین پر لیٹ کر
اِدھر اُدھر کروٹ تبدیل کر کے نماز پڑھی اور حضرت عمرؓ نے نماز نہ پڑھی۔ انہوں
نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا " انما یکفیک
ھکذا وضرب بیدیہ الی الارض ومسح وجھہ وکفیہ "۔

یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عمرؓ و عمارؓ حدثِ اصغر سے پاک ہونے
کا طریقہ جانتے تھے تو عمارؓ نے حدثِ اکبر کو اس پر قیاس کیا کہ جب حدثِ
اصغر سے پاک ہونے کے لئے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرنا کافی ہے تو حدثِ اکبر
سے پاک ہونے کے لئے " تمعك فی التراب " ہونا چاہئیے، اس لئے مٹی
میں اُلٹ پلٹ ہوتے اور نماز پڑھی۔ تو آپؐ کا قول " إنما یکفیک ھٰکذا "
صرف یہ تعلیم دینے کے لئے تھا کہ آپ کو " مسح علی الوجہ والیدین " کافی
تھا چونکہ کیفیت ضرب حضرت عمارؓ پہلے سے جانتے تھے۔ اس لئے آپؐ
نے اختصار فرمایا۔ گویا آپؐ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حدثِ اکبر و
اصغر دونوں کا تیمم برابر ہے[1]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، علامہ بدرالدین العینی ج ۲، ص ۲۷، معارف السنن ج ۱، ص ۳۸۵ العرف الشذی علی جامع الترمذی، علامہ انور شاہ کشمیری، ص ۸۵۔

علامہ کشمیریؒ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضورؐ نے حضرت عمارؓ کے عمل کو ناپسند فرماتے ہوئے اسے تعلیم دی کہ تیرے لئے دونوں حالتوں میں وہی تیمم کافی ہے جو تم نے پہلے سے سیکھا ہے جس میں "تمرغ فی التراب" نہیں ہے۔ حضورؐ کا ایک ہی "ضرب علی الارض" یہ تعلیم دینے کے لئے کافی تھا کہ غسل اور وضو دونوں کا تیمم ایک ہی ہے۔ اس ضرب سے حضورؐ کا مقصد کیفیتِ تیمم بیان کرنا نہیں تھا چونکہ وہ حضرات پہلے سے ہی طریقۂ تیمم جانتے تھے۔

پانی کی طہارت کا مسئلہ

فقہاء کے مذاہب :

اس میں فقہاء کے تین اقوال ہیں :

(١) حنفیہ اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اگر پانی زیادہ ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک نہیں ہوگا، اگر کم ہے تو ناپاک ہوگا اور قلت و کثرت معلوم کرنے کے لئے پانی استعمال کرنے والے کی رائے کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ پانی زیادہ ہے اور نجاست ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک نہیں پہنچ سکتی تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اگر کم ہے تو ناپاک ہوگا، چاہے پانی دو قلے ہی کیوں نہ ہو۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک قلت و کثرت معلوم کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ ہے کہ اگر پانی چاروں طرف دس دس ذراع ہو تو کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔

حنفیہ کا مذہب راجح نہیں بلکہ یہ ایک روایت ہے۔ راجح مذہب وہی ہے جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ علامہ ابن نجیم، ابن عابدین اور محقق ابن الھمام کی عبارتوں

سے یہی معلوم ہوتا ہے۔[1]

(۲) مالکیہ کہتے ہیں کہ جب تک پانی کی صفات میں سے کوئی صفت تبدیل نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

(۳) حنابلہ و شافعیہ کہتے ہیں کہ جب پانی دو قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اگر اس سے کم ہو تو ناپاک ہو گا۔ چاہے نجاست زیادہ ہو یا کم ہو۔

مذاهب کے دلائل

حنفیہ کے دلائل :

(۱) حنفیہ نے حدیث "استیقاظ من النوم"[2]

سے استدلال کیا ہے جس میں نیند سے اٹھنے کے بعد تین دفعہ ہاتھ دھونے کا حکم برتن میں داخل کرنے سے پہلے دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ نے ہاتھ پر گندگی لگنے کے احتمال کی وجہ سے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے ممانعت فرمائی ہے اور برتن کبھی دو قلوں کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ۔ جب احتمال نجاست پانی میں اثر کرتی ہے تو نجاست حقیقی بطریق اولیٰ اثر کرتی ہے۔

(۲) اسی طرح حدیث "البول فی الماء الراکد"[3]

---

[1] رد المختار علی الدر المختار، علامہ ابن عابدین، ج ۱ص ۱۲۸، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، علامہ ابن نجیم، ج ۱، ص ۷۹، فتح القدیر شرح الہدایۃ علامہ محقق ابن الہمام، ج ۱، ص ۷۷، معارف السنن ج ۱، ص ۲۲۲۔

[2] سنن ابی داؤد ج ۱، ص ۱۵۔ [3] نفس المرجع، ج ۱، ص ۱۵۔

سے استدلال کیا جس میں حضور نے مطلقاً ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے اس پانی کو کسی مقدار کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

۲۔ اس کے علاوہ احناف نے بعض فتاوی صحابہ کرامؓ سے بھی استدلال کیا ہے جن میں عبد اللہ بن زبیرؓ، ابو الطفیلؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور علی بن ابی طالبؓ کے فتاوی شامل ہیں[1]

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیرؓ نے فتویٰ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے دیا تھا کسی نے بھی اس پر رد نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اجماع صحابہؓ ہے[2]

علامہ ابنِ تیمیہؒ کا اعتراض اور علامہ کشمیریؒ کا جواب

(۱) شیخ ابنِ تیمیہؒ نے حنفیہ کے دلیل حدیث استیقاظ پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں بھی احتمال نجاست کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ہاتھ پر شیطان کے رات گزارنے کی وجہ سے تھی۔

علامہ کشمیریؒ نے جواب دیا کہ حدیث میں (کہیں) بھی ہاتھ پر شیطان کے رات گزارنے کا ذکر نہیں، البتہ ناک کے نتھنوں میں رات گزارنے کا ذکر ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "إذا استيقظ احدكم عن منامه فليستنشق بمنخريه من الماء فان الشيطان يبيت على خيشومه"[3]

جب دونوں حدیثوں میں علت ہی مختلف ہے تو دونوں پر ایک حکم کیسے جاری ہو سکتا ہے، چونکہ حدیث "الاستيقاظ من النوم" میں رات گزارنے

---

[1] شرح معانی الآثار، ابوجعفر طحاوی، ج ۱، ص ۱۹۔ [2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲، ص ۱۶۹۔
[3] صحیح البخاری ج ۱، ص ۴۶۵۔

کی نسبت ہاتھ کی طرف کی گئی ہے اور دوسری حدیث میں شیطان کی طرف ہے پس ثابت ہوا کہ نہی احتمال نجاست کی وجہ سے تھی[1]

۲- علامہ ابن تیمیہؒ نے دوسرا اعتراض حنفیہ کے دلیل حدیث "البول فی الماء الراکد" پر کیا ہے کہ پانی مطلقاً پیشاب سے ناپاک نہیں ہوتا بلکہ کثرتِ بول سے ناپاک ہوتا ہے اور اس حدیث میں نہی کثرت بول سے ہے۔

علامہ کشمیریؒ نے جواب دیا ہے کہ اگر سیاق حدیث پر غور کیا جائے تو صاف واضح ہے کہ اس سے مراد مطلقاً پیشاب سے ناپاکی بیان کرنا ہے چونکہ آپؐ نے کثرت کی کوئی قید نہیں لگائی ہے[2]

اس جواب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کی تخریج امام طحاویؒ نے اپنی کتاب میں کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "عن ابن المهزم قال سألنا اباهريرةؓ عن الرجل يمر بالغدير أيبول فيه، قال لا، فانه يمر به اخوه المسلم فليشرب منه أو يتوضأ، وان كان جاريا فليبل فيه"[3]

اس حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ نے مطلقاً ساکن پانی میں پیشاب سے منع فرمایا ہے لہٰذا حنفیہ کا اس حدیث سے استدلال صحیح ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کی دلیل

ان حضرات نے حدیثِ قلتین سے استدلال کیا ہے "قال النبی اذا

---

[1] معارف السنن ج ۱ ص ۱۵۲، فیض الباری ج ۱ ص ۲۶۶، عرف الشذی ص ۴۹۔

[2] فیض الباری ج ۱، ص ۳۲۷۔ [3] شرح معانی الآثار ج ۱، ص ۱۹۔

بلغ الماء قلتین لم یحمل الخبث [1]

سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حماد بن سلمہؓ سے "اذا کان الماء قلتین او ثلثا لم ینجسه شیئ" کے الفاظ سے مروی ہے [2]

علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیم اور بیہقی نے اس حدیث کے موقوف ہونے کے لحاظ سے تصحیح کی ہے [3]

علامہ کشمیری کی اس حدیث کے بارے میں تحقیق

علامہ صاحبؒ نے اس حدیث کی تحقیق کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس حدیث میں تحدید تحقیقاً نہیں بلکہ تخمیناً ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ سے جنگل کے پانی کے بارے میں سوال تھا چونکہ روایات میں "الماء فی الفلاۃ من الارض" کے الفاظ ہیں۔ مکۃ المکرمۃ اور مدینۃ المنورۃ کے راستے میں کافی چشمے ہوتے تھے، جہاں سے پانی نکل کر مختلف جگہوں میں جمع ہوتا اور ان میں سے ہر ایک کی مقدار غالباً قلتین تک پہنچتی۔ جب اس میں نجاست گر جاتی تو پانی خارج ہونے کی وجہ سے نہیں ٹھہر سکتی۔ جب آپؐ سے ایسے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب پانی قلتین ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلق پانی کے بارے میں سوال نہیں تھا۔ اس کی تائید حماد بن سلمہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں "قلتین او ثلاثاً"

---

[1] سنن ابی داود ج ۱، ص ۱۰، سنن النسائی ص ۶۳۔

[2] سنن ابن ماجہ، ص ۴۰۔ [3] معارف السنن ج ۱، ص ۲۳۱۔

کہہ کر شک کا اظہار کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ پانی جاری ہے کسی نے جانوروں کو اس میں پیشاب کرتے نہیں دیکھا، اور نجاست بھی دکھائی دینے والی نہیں ہے تو یہ پانی کیسے ناپاک ہو سکتا ہے۔[۱]

مالکیہ کی دلیل

حضرت مالکیہ نے حدیث ابی امامۃ الباہلی سے استدلال کیا ہے "وعن ابی امامۃ الباھلی قال، قال النبیؐ الماء طھور لا ینجسہ شیئ الاما غیر لونہ اوطعمہ اوریحہ"[۲]

انہوں نے اس کے علاوہ حدیث بئر بضاعۃ سے بھی استدلال کیا ہے۔
"عن ابی سعید ن الخدری انہ قال قیل لرسول اللہؐ انتوضا من بئر بضاعۃ وھی بئر یطرح فیھا الحیض ولحم الکلاب والنتن فقال رسول اللہؐ الماء طھور لا ینجسہ شیئ"[۳]

حدیث بئر بضاعۃ کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیق

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب اس حدیث کی تحقیق کی تو واضح ہوا کہ مالکیہ کا یہ استدلال کئی وجوہ کی بنا پر قوی نہیں ہے۔

(۱) اکثر احادیث صحیحہ اس حدیث کے خلاف ہیں چونکہ وہ احادیث پانی

---

[۱] معارف السنن ج ۱، ص ۲۳۵۔ [۲] سنن ابن ماجہ، ص ۴۰۔
[۳] سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۱۔

کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً احادیث " البول فی الماء الراکد"۔
والاستیقاظ من النوم وولوغ الکلب وغیرھا۔

۲۔ بئر بضاعۃ مدینہ منورہ میں ایک جاری کنواں تھا، جس سے باغات سیراب ہوتے اور ڈول کے ذریعے پینے کا پانی نکالا جاتا تھا اور جاری کنواں نجس نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس حدیث کو مطلقاً پانی کے پاک ہونے کو ثابت کرنے کے لئے استدلال میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اس جواب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری کے باب "تسلیم الرجال علی النساء" میں مذکور ہے "عن سھل قال کنا نفرح بیوم الجمعۃ، قلت ولم قال: کانت عجوز ترسل لنا الی بضاعۃ قال ابن سلمۃ، نخل بالمدینۃ" الحدیث[1]

یہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ بئر بضاعۃ سے باغات سیراب کئے جاتے تھے۔ حدیث ابی امامہ الباہلی اسی حدیث بئر بضاعۃ کی ایک روایت ہے اور ابی سعید الخدری کی وہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے جو سنن ابی داؤد میں مذکور ہے[2]

لہٰذا یہ حدیث بھی مستدل نہیں بن سکتی۔

مذہب احناف کی وجہ ترجیح

علامہ کشمیری نے مذہب احناف کی وجوہ ترجیح بیان کرتے ہوئے فرمایا

---

[1] صحیح البخاری، ج ص ۹۲۳ ۔ [2] سنن ابی داؤد ج ۱، ص ۱۱۔

کہ یہ مذہب جمع بین الاحادیث پر مبنی ہے۔ مالکیہ نے حدیث القلتین والبول فی الماء الراکد وغیرھما کو چھوڑ کر صرف حدیث بئر بضاعۃ پر عمل کرتے ہوئے اسے اپنا مذہب بنا لیا۔

شافعیہ نے صرف حدیث قلتین کو اپنا مستدل بناتے ہوئے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ لیکن حنفیہ نے تمام احادیث کو جمع کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ پانی کی مختلف قسمیں ہیں جو کہ نہر، کنویں، جنگل اور گھروں کے پانی سے مشہور ہیں اور شریعتِ اسلامیہ نے پانی کی تمام قسموں کے لئے الگ الگ حکم بیان کئے ہیں۔

پس حدیث بئر بضاعۃ اس کنویں کے بارے میں ہے جو جاری تھا اور اس سے مدینہ کے باغات سیراب کئے جاتے تھے۔

حدیث قلتین جنگل میں جمع شدہ اس پانی کے بارے میں ہے جو چشموں سے نکل کر جمع ہوتا تھا اور عام طور پر اس کی مقدار قلتین تک پہنچتی تھی۔ باقی احادیث (ولوغ کلب) استیقاظ من النوم، البول فی الماء الراکد وغیرھا اس پانی کے بارے میں ہے جو گھروں میں جمع رہتا تھا[1]۔

علامہ کشمیریؒ کی تحقیق کا خلاصہ

آپ کی تحقیق کا مخلص یہ ہے کہ جب حدیث قلتین کے تمام طرق جمع کئے جائیں تو وہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس میں تحدید تحقیقی نہیں، چونکہ سوال جنگل کے

---

[1] فیض الباری ج ۱، ص ۲۶۰۔

پانی کے بارے میں تھا اور وہاں اکثر و بیشتر قلتین کے قریب ہی پانی جمع ہوتا تھا۔
اور بئر بضاعۃ ایک جاری کنواں تھا جس میں نجاست اثر نہیں کر سکتی تھی۔

مسئلہ قرأت خلف الامام

اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے درمیان اصل اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے لیکن مقتدی پر نہیں، یعنی امام کے پیچھے کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، خواہ امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو، دلیل میں حدیث عبادہؓ پیش کرتے ہیں: "عن عبادۃؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بأم القرآن"

حنفیہ کا استدلال قرآن کریم کی آیت "وَاِذَا قُرِئَ القرآن فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَاَنْصِتُوا" سے ہے (جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سنو) علامہ ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسری دلیل جامع ترمذی کی حدیث "من کان لہ امام فقرأۃ الامام قراءۃ لہ" (جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے) لہٰذا مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس دلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم جہری نمازوں کے لیے ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ نے مذکورہ استدلال سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سرّی نمازوں میں بھی قرأت خلف الامام جائز نہیں کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام و مقتدی دونوں قرأت میں شریک ہیں۔ اس لیے امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے

اب اگر مقتدی بھی قرأت کرے گا تو اس کی نماز میں دو قرأتیں ہو جائیں گی جو شریعت کے حکم کے خلاف ہے۔

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے، اس کی یہ نماز شافعیہ کی نماز سے افضل ہے، اس لیے کہ اس صورت میں استماع قرأۃ پایا جاتا ہے۔ صاحب کنز نے لکھا ہے "من استمع الیٰ آیۃ من کتاب اللہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ ومن تلا آیۃ من کتاب اللہ کانت لہ نوراً یوم القیامۃ" (جس نے قرآن کی ایک آیت سنی اُسے دوچند اجر ملے گا۔ جس نے تلاوت کی وہ آیت قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی) اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم سننے والے کے لیے دو اجر ہیں اور تلاوت کرنے والے کا ایک اجر ہے۔

جہاں تک حدیث عبادہؓ کا تعلق ہے۔ اس میں امام مسلم و ابو داؤد کے مطابق "فصاعداً" کی زیادتی بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور آیات نہ پڑھی جائیں تو نماز درست نہ ہوگی، اب اس حدیث سے قرأت خلف الامام پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ اگر حدیث عبادہؓ کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ بالکل درست ہے۔ اگر امام نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز درست نہیں ہے۔ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ کہ جماعت کی صورت میں یہ حکم صرف امام کے لیے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ آمین بالجہر

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین آہستہ کہنا چاہیئے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک آواز سے کہنا چاہیئے۔ سارے اماموں نے ایک ہی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے "عن وائل بن حجرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ ولا الضالین قال آمین ورفع بہا صوتہ" (رواہ ابوداؤد)

اسی روایت سے امام ابوحنیفہؒ نے آہستہ کہنے کا حکم ثابت کیا ہے، وہ اس طرح سے کہ اس روایت کو سفیان ثوری اور شعبہ دونوں نے روایت کیا ہے۔ شعبہؒ کی روایت میں "خفض بہا صوتہ" کے الفاظ ہیں اور سفیان ثوری کی روایت میں "رفع بہا صوتہ" دونوں روایتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ شوافع نے سفیان ثوری کی روایت کو صحیح مان کر جہر کا حکم ثابت کیا اور احناف نے شعبہ کی روایت صحیح قرار دے کر سِرّ کا حکم ثابت کیا ہے۔

شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو آمین بالجہر کہنے کا حکم نہیں دیا بلکہ جس شخص نے ایسا کیا، اپنی رائے سے کیا۔ اس میں ایک عجیب لطیفہ یہ بھی ہے کہ جہر کی روایت کوفیوں سے مروی ہے حالانکہ اسے حجازیوں سے مروی ہونا چاہیئے تھا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک چیز سے حجازی واقف نہ ہوں جو حضورؐ کے زیادہ قریب تھے اور دور دراز کے باشندے اس حکم سے واقف ہو جائیں۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے جن راویوں نے روایت کی ہے، ان میں سے ایک

کلیب ہیں جو یوں روایت کرتے ہیں۔ عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی الصلاۃ آمین ۔

دوسری روایت ابن ماجہ میں ہے: عن ابی اسحاق عن عبد الجبار عن وائل بن حجر" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قال ولا الضالین قال آمین فسمعناہ منہ" دونوں حدیثوں کے الفاظ بظاہر تو اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ آپ نے آمین زور سے کہا لیکن یہ حقیقت نہیں کیونکہ یہ حضور کے قریب تھے۔ اس لیے آپؐ نے جب آمین آہستہ سے کہا تو انہوں نے سن لیا اور دوسرے لوگ نہ سن سکے۔[1] اسی وجہ سے انہوں نے "فسمعناہ منہ" کہا تو ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے آمین آہستہ سے کہا۔

ان کے علاوہ مذکورہ دو روایتیں ابوسفیانؒ اور شعبہؒ کی ہیں، ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ "رفع بھا صوتہ" سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے آمین آہستہ سے کہا لیکن ذرا کھینچ کر ادا کیا، اسی کو رفع (بلندی) سے تعبیر کیا گیا جبکہ دوسرے راوی شعبہ نے اس حقیقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسے خفض (آہستگی) سے تعبیر کیا۔

دراصل دونوں روایتوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے، مقصد یہ ہے کہ حضورؐ نے آمین دل میں نہیں کہا جس کو کوئی سن نہ سکتا بلکہ اس طرح کہا کہ پاس والے نے سن لیا۔ ایک سامع نے اس کی تعبیر یوں کی کہ زور زور سے کہا کیونکہ اس نے اس کو سن لیا۔ دوسر نے یوں کہا کہ آہستہ کہا، مقصد یہ ہے کہ کچھ چیخ کر نہیں کہا جس طرح دوسروں کو سنانے

---

[1] کشف الستر: ۹۶-۹۷۔

کے لیے کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس میں اصل اخفاء ہے چونکہ آمین دعا بھی ہے اور دعا کے اندر مناسب اخفاء ہے، اس لیے اسے آہستہ کہنا چاہیئے، لہٰذا آمین آہستہ کہنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

رفع یدین

ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن شاہ صاحبؒ نے اس مسئلے پر جس انداز سے گفتگو کی ہے اور احادیث و آثار کا محل متعین کرنے میں جس باریک بینی اور دور رسی کا ثبوت دیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ شاہ صاحبؒ کی تحقیق اور دوسرے فقہاء کا موقف مختصراً پیش کرتا ہوں، چونکہ تفصیل کا موقع نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ احناف ترک رفع یدین کے قائل ہیں اور دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے حضورؐ کو کسی بھی نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور کسی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں احادیث دونوں قسم کی وارد ہوئی ہیں۔ ایسی جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے اور ایسی بھی جو عدم رفع پر دلالت کرتی ہیں۔[1]

امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ رفع یدین کے قائل ہیں، کئی حدیثیں استدلال میں پیش کرتے ہیں، لیکن امام مالکؒ کی مشہور روایت جو بدایۃ المجتہد میں مذکور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے موافق ہے۔

---

[1] موطا امام محمدؒ ص ۹۰، ۹۳۔

علامہ کشمیری کی تحقیق

علامہ کشمیریؒ حنفی تھے لیکن تنقیدی وتحقیقی ذہن کی وجہ سے کسی جگہ بھی تقلیدی انداز کی گفتگو نہیں کی۔

انہوں نے اپنی کتاب "نیل الفرقدین" میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روایات واحادیث دونوں جانب ہیں۔ اس کا انکار کسی بھی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن بعض حضرات نہایت غلو سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ رفع یدین کی احادیث بہت زیادہ ہیں اور عدم رفع کی سرے سے کوئی روایت نہیں ہے۔ حالانکہ اگر غیر جانبدار ہو کر اور دل سے تعصب کو نکال کر غور کیا جائے تو رفع یدین کے احادیث کی تعداد نہایت محدود رہ جاتی ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ رفع یدین کے جواز کے قائل ہیں انہیں مختلف روایتوں کی تطبیق میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ دشواری ان لوگوں کو ہوتی ہے جنہوں نے تشدد کی راہ اختیار کی ہے، اور اختلاف کے باعث تمام روایتوں پر عمل نہ کر سکنے کی وجہ سے طرح طرح کی تاویل و توجیہہ پر مجبور ہوئے ہیں۔

عدم رفع کے متعلق اگرچہ روایتیں کم ہیں لیکن اصحاب کوفہ کے نزدیک عملاً یہی روایتیں متواتر ہیں۔ نیز اہل کوفہ کے علاوہ مدینہ طیبہ کے بہت سے حضرات نے رفع یدین ترک کر دیا تھا جس کی بناء پر امام مالک کا مذہب مختار ترک رفع

کا ہے، اس کا اعتراف علامہ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں بھی کیا ہے۔
آخر میں خلاصہ کے طور پر علامہ کشمیریؒ نے لکھا ہے "یہ ساری بحثیں تکلفات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس کے اٹھانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے بلکہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ رفع یدین و ترک رفع دونوں ثابت و جائز ہیں۔ دونوں پر اسلاف کا عمل چلا آرہا ہے، اس لئے جو کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں اور جو نہیں کرتے وہ بھی صحیح ہیں۔

مسئلہ وتر

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وتر عشاء سے الگ لیکن اس کے تابع ہے اور وتر کی تین رکعات ایک سلام سے پڑھنا واجب ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات دو سلام سے پڑھنا واجب ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وتر کی کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ ۱۱ رکعت پڑھی جا سکتی ہے اور وہ بھی صرف ایک سلام سے۔

دلیل میں حدیث ابنِ عمرؓ[1] پیش کرتے ہیں جس میں ایک رکعت وتر کا ذکر ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی یا تو ایک رکعت ہے اور اگر تین رکعتیں ہیں تو دو سلام سے پڑھنی چاہیئے۔

حنفیہ کا استدلال حدیث عائشہؓ[2] سے ہے جس میں وتر تین رکعت مذکور ہیں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا قول راجح ہے، چونکہ بہت سی حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حدیثِ عائشہؓ جو ابھی مذکور ہوئی اس کی بنیادی حیثیت ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی روایت زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ ابو نعیمؒ کی روایت "عن ابن عباسؓ قال اوتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بثلاث" اور روایت طبرانی جو کہ اوسط میں مذکور ہے ان سے بھی تین رکعت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری روایتیں بھی ہیں جن سے تین رکعت ثابت ہوتی ہیں[3]

---

[1] ابوداؤد باب الوتر۔ [2] ابوداؤد، جامع ترمذی۔ طحاوی باب الوتر [3] کشف الستر ص ۴۴۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک رکعت والی حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں " فاوتروا بواحدۃ" جس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو دو رکعت پڑھتے رہو اور جب نماز ختم کرنی ہو تو اس میں ایک رکعت ملا کر وتر کر لو، یعنی تین رکعت پوری کر لو۔ اس سلسلے میں حضورؐ کے عمل پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اپنی پوری عمر میں کبھی ایک رکعت وتر پڑھی ہی نہیں، ہمیشہ تین رکعت ایک سلام سے پڑھی ہیں[1]

انہوں نے لکھا ہے کہ اس ثبوت کے لیے شارع کا یہ قول ہی کافی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ رات کی وتر دن کی وتر کی طرح ہیں، دن کی وتر مغرب کی نماز ہے جو کہ تین رکعت ہیں۔ علامہ کشمیریؒ نے مزید لکھا ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ہیں اور حدیث " لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس" میں تین رکعت وتر کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ یہاں آپؐ نے وتر کے بعد مزید دو رکعتوں پر زور دیا ہے یعنی آپؐ نے فرمایا کہ صرف وتر ہی پڑھ کے نہ رہ جاؤ بلکہ اس کے بعد دو رکعت نفل بھی پڑھ لیا کرو۔ حضورؐ کا عمل یہ بتلاتا ہے کہ آپؐ تین رکعت وتر پڑھتے پھر اس سے متصلاً دو رکعت نفل بھی پڑھتے۔ حدیث مذکور میں اسی عمل کا حکم دیا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں ایک رکعت نہیں ہے۔ واللہُ اعلم۔

---

[1] فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۷۔

سُنن تراویح

سُنن تراویح کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بیس رکعت ہیں۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک آٹھ رکعت ہیں۔ دلیل میں ان روایات کو پیش کرتے ہیں۔ جن میں گیارہ اور تیرہ رکعت صلاۃ اللیل کا ذکر ہے۔ حنفیہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں بیس رکعت پر اجماع صحابہ سے استدلال کرتے ہیں۔

حضورؐ کے عہدِ مبارک میں صلاۃ تراویح جماعت کے ساتھ نہیں ہوتی تھیں، چونکہ روایات میں ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی کے بعد صحابہ کرام گھروں کو چلے جاتے تھے، پھر وہاں سے بعض نے کی آوازیں آتی تھیں گویا ہر صحابی گھر میں نمازِ تراویح پڑھ رہا ہے۔

روایات کے مطابق بعض صحابہ آٹھ، بعض بیس، اور بعض چھتیس رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مبارک زمانہ میں بھی یہی صورت رہی، لیکن فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ کو بیس رکعت باجماعت ادا کرنے پر جمع کر دیا۔ اس کے بعد تمام خلفاء کرام کے زمانہ سے لے کر اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ صرف چند دلائل پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھنے پر اجماع صحابہ ہے۔

۲۔ حدیثِ نبوی: عليكم بسُنّتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين

آٹھ رکعت تراویح ادا کرنے والا شخص حضورؐ کی سُنت پر تو عمل کر رہا ہے لیکن خلفائے راشدین کی سنت پر عمل سے محروم ہے، حالانکہ حضورؐ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی بھی تاکید فرمائی ہے جبکہ بیس رکعت ادا کرنے والا دونوں سُنتوں پر عمل پیرا ہے۔

۲۔ مسجد حرام، مسجد نبوی مسلمانوں کے عظیم مراکز ہیں، ان میں جن سنتوں پر عمل کیا جاتا ہے انہیں کوئی مسلمان چیلنج نہیں کر سکتا۔ ان مساجد میں سنن تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔

فائدہ:

اگر کوئی شخص حنفی امام کی اقتدار میں آٹھ رکعت تراویح ادا کر رہا ہے تو وہ ایک مستقل سنت (قرآن کریم کا سننا) سے بھی محروم ہو جاتا ہے، اس لیے اسے چاہیئے کہ یا تو بیس رکعت تراویح ادا کر کے تمام سنتوں کا ثواب حاصل کرے یا کسی غیر مقلد کی اقتدار میں تراویح ادا کرے تاکہ پورا قرآن کریم سننے سے محروم نہ ہو۔

تنبیہ

گزشتہ اوراق میں چند مسائل فقہیہ مختلفہ کا ذکر کیا گیا ہے جن میں حنفی دلائل کو ترجیح دے کر مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ جو مسئلہ بھی حدیث سے ثابت ہو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ حنفی مذہب کی ترجیح حرفِ آخر نہیں۔

جو شخص قرأت خلف الامام کو پسند کرتا ہے وہ کرے جو شخص آمین بالجہر یا رفع یدین کرتا ہے وہ کرے اور جو شخص رفع یدین، قرأت خلف الامام، آمین بالجہر نہیں کرتا وہ نہ کرے۔ یہ سب احکام احادیث سے ثابت ہیں، لیکن کسی کو یہ حق بالکل ہی حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو کہے کہ تمہاری نماز درست نہیں، یعنی کسی اہلِ حدیث کو یہ حق نہیں کہ وہ حنفی شخص کو شک و شبہ میں مبتلا کر دے اور نہ حنفی کو یہ حق ہے کہ وہ کسی اہلِ حدیث کو ملامت کرے۔ ان اعتراضات سے مسلمانوں کی اپنی قوت ختم ہوتی ہے۔ حنفی کی نماز اہلِ حدیث کی اقتدار میں اور اہلِ حدیث کی نماز حنفی کی اقتدار میں بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس لیے سب مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان اختلافات میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔ علامہ کشمیری کی تحقیق سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کی ہے کہ دونوں طرف کے بعض متعصب حضرات ان مسائل میں حد سے تجاوز کر کے ایک دوسرے کے اقتدار میں نماز پڑھنے سے بھی کتراتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ملی و دینی المیہ ہے، اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

(مؤلف)

مسئلہ تکفیر

کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کا مسئلہ نہایت پیچیدہ، دقیق اور تمام مسائل میں اہم بھی ہے۔ اس لیے اس تالیف میں نہایت اختصار کے ساتھ اس پر گفتگو کی جاتی ہے۔

ضروریاتِ دین

تمام اہلِ علم حضرات اس پر متفق ہیں کہ جو امورِ اسلام تواتر سے ثابت ہوں یا تواتر سے تو ثابت نہ ہوں لیکن ان کا تعلق عقیدے سے ہو، ان کا تسلیم کرنا جزدِ ایمان ہے اور انکار کفر ہے۔ اس لیے دین کے بنیادی عقائد (قرآن کریم کی حقانیت، اطاعتِ رسول، حجیت احادیث، آخرت، تقدیر، فرشتے، حشرِ اجساد، رؤیت باری تعالیٰ، استوار علی العرش، عذابِ قبر) ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہم کا انکار کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ[1] استعمال کرنا، نبی کریمؐ کو شارحِ قرآن تسلیم نہ کرنا، خلفاء راشدین کی شان میں غلط الفاظ استعمال کرنا، صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق نہ سمجھنا اور ان کی شان میں گستاخی کرنا بھی کفر کے زمرے میں آتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک ضروریاتِ دین سے مراد اسلام کے

---

[1] نبی کریمؐ کو بشر یعنی انسان ماننا، مختارِ کل نہ ماننا، عالم الغیبؐ ماننا، حاضر و ناظر نہ ماننا بعض مسلمانوں نے کم علمی کی وجہ سے انہیں حضورؐ کی شان میں گستاخی تصور کیا ہے جو کہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے، چونکہ یہ سب کچھ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔ نبی کریمؐ کو (بشر) انسان نہ ماننا آیاتِ کریمہ کے مفہوم کے خلاف ہے۔

وہ تمام مسائل ہیں جنہیں شہرت تامہ حاصل ہو۔ یہی مسائل تواتر کے طور پر ثابت ہیں اور ہر ایک ان سے واقف ہے۔ ضروریاتِ دین میں فرض، واجب، سنت و مستحب سب ہی داخل ہیں، ان مسائل مشہورہ کا انکار کرنے والا کافر ہے اسی طرح ضروریاتِ دین میں تاویل کرنے والا بھی کافر ہے۔[1]

قاضی عیاض اپنی کتاب "الشفاء" میں لکھتے ہیں کہ پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریمؐ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے والا شخص کافر ہے جو بھی اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔[2]

علامہ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں "جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے اجسام میں سے کسی جسم میں حلول کرتا ہے یا یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (سوائے عیسیٰؑ) کوئی نبی آئے گا پس ایسے شخص کے کفر میں دو آدمی بھی مختلف نہیں ہو سکتے کیونکہ ان تمام امور میں ہر ایک کی حجت ہر شخص پر قائم ہو چکی ہے"۔[3]

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں "جو شخص ضروریاتِ اسلام کا مخالف ہے، اس کے کفر میں کوئی شبہ اور اور کوئی اختلاف نہیں خواہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے پوری عمر طاعات کرتا رہا ہو"۔[4]

۱۔ اکفار الملحدین، ص ۷۱۔ ۱ اکفار الملحدین، ص ۴۳

۳۔ الفصل فی الملل والنحل: ج ۳ ص ۲۴۹۔ ۴۔ رد المحتار، علامہ شامی ج ۱ ص ۳۷۷

فرقہ قادیانیہ

علامہ کشمیریؒ نے ضروریاتِ دین کے منکر اور تاویل کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ توہینِ انبیاء، دعوتِ انبیاء پر اپنی برتری، دعویٰ معجزات اور نئی شریعت کے دعوؤں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ بعض مقامات پر اس نے اپنے آپ کو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فوقیت دی ہے جب ایسے صاف و صریح الفاظ دین کے انکار کے بارے میں موجود ہوں جنھیں دیکھ کر ایک ادنیٰ و جاہل مسلمان بھی نفرت و بیزاری کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکتا ہو تو پھر ایسے شخص کو کافر کیوں نہ کہا جائے۔[1]

اب اس جماعت کے کافر ہونے پر عالمِ اسلام کا اجماع ہو چکا ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی اتفاق کے ساتھ اسے کافر قرار دے کر آئین میں ترمیم منظور کی اور آج یہ ترمیم آئینِ پاکستان کا حصّہ ہے۔ اب ہر پاکستانی بچے کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مرزائی قادیانی کافر ہیں، خواہ وہ مرزائی اپنے آپ کو لاہوری مرزائی کہتا ہو یا احمدی۔

---

[1] اکفار الملحدین ص ۶۵۔

پرویزیت

تکفیر کے مندرجہ بالا اصول وضوابط کی روشنی میں جب غلام احمد پرویز اور ان کی جماعت کے نظریات و افکار پر غور کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ کافر ہے اور اس کا طائفہ بھی۔ اس لیے کہ ان کے عقیدے میں انبیاء کرام، ارکانِ اسلام، شعائر اسلام جیسی اہم بنیادی حقائق کا یا تو انکار ہے یا توہین۔ یہ جاننے کے لیے کچھ تفصیلات پیشِ خدمت ہیں تاکہ ان کے عقائد کفریہ کی وضاحت ہو سکے۔ واللہ الموفق۔

پرویزیت کیا ہے

• قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد "مرکز نظام حکومت" ہے۔[1]

گویا اللہ اور رسولؐ کی کوئی حیثیت نہیں۔

"اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے"۔[2]

• یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی اطاعت بھی ہو سکتی ہے، حتیٰ کہ خود رسولِ کریمؐ کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔[3]

---

[1] معارف القرآن غلام احمد پرویز ج ۴ ص ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۴، ۶۲۰، ۶۳۰، ۶۳۱۔

[2] اسلامی نظام۔ غلام احمد پرویز ص ۸۶، ۱۱۰، ۱۱۱، معارف القرآن، پرویز ج ۴ ص ۶۲۱، ۶۸۶۔

[3] معارف القرآن پرویز ج ۴، ص ۶۱۶۔

"اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی (محمدؐ) کی پوزیشن بھی اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہنچانے والا ہے اسے بھی کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے۔[1]"

"ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا اور ختم نبوت سے مقصد یہ بھی ہے کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے خود کرنے ہوں گے۔[2]"

"قرآن کریم میں صدقہ و خیرات وغیرہ کے لیے جس قدر ترغیبات و تحریصات یا احکام و ضوابط آئے ہیں وہ سب اسی عبوری دور (عہدِ نبوی) کے لیے ہیں۔ اسی طرح وراثت، قرضہ، لین دین وغیرہ کے احکام بھی اسی عبوری دور کے لیے ہیں۔[3]"

شریعت محمدیہ مکمل طور پر منسوخ ہے۔[4] ملخص۔

"مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے جو سازش کی گئی ہے، اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہؐ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو کہ قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے ہم پلہ (مثلہ معہ) ہے۔[5]"

"قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے، اسی کا نام "ایمان بالآخرۃ" ہے۔[6]"

"بہرحال مرنے کے بعد کی جنت و جہنم مقامات نہیں بلکہ انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔[7]"

"اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی

---

[1] سلیم کے نام پرویز ج ۲، ص ۴۴، مقام حدیث از پرویز ج ۱ ص ۱۹۔

[2] سلیم کے نام از پرویز: ج ۲، ص ۱۲۰، ۲۵۰، ۱۲۰۔ [3] نظام ربوبیت پرویز ص ۲۵، ۱۲۷۔ [4] مقام حدیث از پرویز ج ۱ ص ۳۹۱۔ ج ۲ ص ۲۹۲، ۲۹۳۔ [5] مقام حدیث از پرویز: ج ۱ ص ۴۲۱، ج ۲ ص ۱۲۲۔

[6] سلیم کے نام پرویز: ج ۲ ص ۱۰۴۔ [7] لغات القرآن از پرویز: ج ۱، ص ۴۴۹۔

قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں [1]

"سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اسراء میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔ تاکہ وہاں اسے اپنی آیات دکھلائے .... خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضورؐ کی شب ہجرت کا بیان ہے۔ اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہوگی، جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔" [2]

"مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جا چڑھی۔ انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں نے جزو ایمان بنا دیا۔ چنانچہ ہمارے ایمان میں والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ کا جزو انہی کا داخل کیا ہوا ہے" [3]

تلخیص کفریات

ان اقتباسات کو پڑھ کر باآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ غلام احمد پرویز کے ہاں اللہ و رسول اور اس کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں (معاذ اللہ) رسولؐ کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ رسول کی حیثیت (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ کی ہے۔ قرآن کریم کے احکام صرف عہد نبوی کے لیے ہیں۔ احادیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ آخرت سے مراد مستقبل ہے (معاذ اللہ) جنت و جہنم مقامات نہیں کیفیات ہیں۔ فرشتوں سے مراد نفسیاتی محرکات ہیں۔ معراج نبوی نہیں ہوا۔ حضورؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ عقیدہ

---

[1] ابلیس و آدم از پرویز ص ۱۹۵، لغات القرآن از پرویز ج ۱، ص ۲۲۴ [2] معارف القرآن از پرویز ج ۴ ص ۳۶،
[3] قرآنی فیصلے از پرویز ص ۱۹۰۱۔

تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے (معاذ اللہ) نماز کا کوئی تصور نہیں، زکوٰۃ ٹیکس ہے۔ حج مسلمانوں کی یاترا ہے۔ قربانی کا مقصد حج کے موقعہ پر بین المِلّی کانفرنس کے شرکاء کے لیے خورد و نوش کا انتظام کرنا ہے۔ تلاوتِ قرآن کریم کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔ اس کے نزدیک دین کے ہر گوشہ میں تحریف ہو چکی ہے۔ (معاذ اللہ)

قرآن و حدیث کی روشنی میں اس نظریہ کفریہ کی تردید

مذکورہ عقائد کفریہ کی تردید قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ سے ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "قل اطیعوا اللّٰہ والرسول فإن تولوا فإن اللّٰہ لا یحب الکافرین"۔ (سورہ آلِ عمران آیت نمبر ۳۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف کرنے والوں کو کافر کہا جا رہا ہے تو کیا نظامِ حکومت کی اطاعت سے انحراف کرنے والوں کو بھی کافر کہا جائے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وما ارسلنا من رسول إلا لیطاع باذن اللّٰہ" (النساء۔ آیت نمبر ۶۴) ارشاد باری ہے "من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ" (النساء، آیت نمبر ۸۰) ان آیات میں صرف رسول کی اطاعت کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی اطاعت کو خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمایا گیا۔ اس حقیقت کو کم از کم مزید بیس آیات نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات نے حضورؐ کو معلم، مربی، شارح کتاب، اُمت کے تمام فیصلوں میں قاضی اور حکم بیان فرمایا ہے۔ ان کا انکار صریح کفر ہے۔ قرآن کریم کے تمام احکام کی پابندی قیامت تک آنے والی تمام نسلوں پر لازم ہیں قرآن کریم کے ارشاد "ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک هم

؟ انکفِرون" کا یہی مفہوم ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے "وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اس آیت کا مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مشتمل ہے۔ سورۂ نساء کے آیت نمبر ۶۵ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلاف کو دور کرنے کے لیے صرف آنحضرتؐ کا فیصلہ اور حکم قابلِ قبول ہے۔ شریعت مطہرہ میں حضورؐ کے فیصلے کی قبولیت میں دل کے وساوس اور خطرات کی بھی اجازت نہیں ہے، چونکہ آپؐ کے فیصلے کی قبولیت شرطِ ایمان قرار پائی ہے اس لیے فیصلے کے بعد ذاتی پسند کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پرویزی طائفہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ احکامِ قرآنیہ صرف عہدِ نبویؐ کے لیے ہیں، ہمارے لیے حجت نہیں جبکہ قرآنِ کریم میں ارشاداتِ ربانیہ ہیں: "یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا" (۲) "وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا" (۳) "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" ان سب آیات میں یہ امر مشترک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار قیامت تک آنے والی تمام نسلوں پر فرض ہے۔

تمام صحابہ کرامؓ و سلف صالحین و امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ آخرت مرنے کے بعد کی زندگی کا نام ہے اور جنت و جہنم مومن و کافر کے آخرت میں ٹھکانے ہیں۔ ذاتی کیفیات نہیں اور یہ کہ ملائکہ نورانی مخلوق ہیں جو کسی بھی وقت اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار حسی معجزات عطا کیے تھے جن میں چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر وغیرہ کا آپؐ کو سلام

کرنا، تھوڑے پانی کا ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوجانا شامل ہیں، اس پر بھی اجماع ہے کہ معراجِ نبوی بیداری میں اور جسدِ اطہر کے ساتھ ہوا۔ تقدیر کا عقیدہ ایمانیات میں قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہ کرام کی تعلیمات کی بنا پر داخل ہوا ہے۔

قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین (سورہ اعراف) اللہ کے فضل وکرم سے آج بھی دینِ اسلام اسی طرح محفوظ ہے جس طرح عہدِ رسالت میں تھا۔ ارشاد ربانی ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (سورہ حجر)

سورہ نساء آیت نمبر ۵۹: یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر"

اے ایمان والو! اللہ اور ارباب حکم واقتدار کی اطاعت کرو اگر کسی معاملہ میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو۔

اس آیت میں تین اطاعتوں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں ان میں کسی قسم کے نزاع کا امکان ہی نہیں۔ تیسرے میں اختلاف کا امکان ہے، اس لیے اس کو رفع کرنے کے لیے ضابطہ بیان کر دیا گیا کہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کرو۔

پرویزیت علماء کی نظر میں

جب پرویز کے عقائد کفریہ مختلف مسالک کے فقہاء و علماء کو معلوم ہوئے تو ان سب نے بلاجھجک پرویز پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔

حضرت مفتی ولی حسن کا فتویٰ

حضرت مفتی ولی حسن مدظلہ العالی اپنے فتویٰ کے آخر میں لکھتے ہیں: "نتیجہ ظاہر ہے کہ غلام احمد پرویز شریعتِ محمدیہ کی رو سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، نہ اس شخص کے عقد نکاح میں کوئی مسلمان عورت رہ سکتی ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح اس سے ہوسکتا ہے۔ نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کا دفن کرنا جائز ہوگا اور یہ حکم صرف پرویز ہی کا نہیں بلکہ ہر کافر کا ہے اور ہر وہ شخص جو اس کے متبعین میں ان عقائد کفریہ کا ہم نوا ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے اور جب یہ مرتد ٹھہرا تو پھر اس کے ساتھ کسی قسم کے اسلامی تعلقات رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔"

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

دارالعلوم دیوبند سے بھی یہ فتویٰ ۶۰-۱۹۶۱ء میں مندرجہ ذیل دستخطوں سے جاری ہوا:

۱۔ مفتی سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند

۲۔ محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند

۳۔ مسعود احمد، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۴۔ مولانا ظہور احمد مدرس دارالعلوم، دیوبند ۔

۵۔ مولانا فخرالدین شیخ الحدیث، دارالعلوم دیوبند ۔

عالم اسلام کے مشاہیر علماء کے نام

۱۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ بانی انجمن خدام القرآن، لاہور ۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مفتی اعظم، پاکستان ۔

۳۔ حضرت مولانا شمس الحقؒ، صدر وفاق المدارس، پاکستان ۔

۴۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ ناظم عمومی جمعیت العلمائے اسلام پاکستان ۔

۵۔ حضرت مولانا نصیرالدین شیخ الحدیث (غورغشتی) پاکستان ۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ الاستاد یحیی امانؒ الحنفی، قاضی القضاۃ، مکہ مکرمہ ۔

۷۔ فضیلۃ الشیخ السید علوی عباسؒ المالکی، مکہ مکرمہ ۔

۸۔ فضیلۃ الشیخ الاستاذ سلیمان بن عبدالرحمن الحنبلی، مکہ مکرمہ ۔

۹۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، شیخ الحدیث مدرسہ ٹنڈو آلہ یار، سندھ ۔

۱۰۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

۱۱۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ بانی و مہتمم جامعہ خیرالمدارس، ملتان ۔

۱۲۔ حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ، صدر جمعیت اہل حدیث پاکستان۔

۱۳۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، صدر ختم نبوت، ملتان ۔

۱۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاقؒ خطیب و مفتی ہزارہ ۔

۱۵۔ حضرت مولانا عبدالحقؒ، شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ۔

۱۶۔ حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری، مہتمم جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ۔

۱۷۔ حضرت مولانا یوسف بنوری شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی۔

۱۸۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، ناظم جمعیت علماء اسلام، پاکستان۔

۱۹۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم، گجرانوالہ۔

۲۰۔ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف مہتمم مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام، جہلم۔

اس حقیقت کو مزید جاننے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

۱۔ درس ترمذی مصنف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی۔

۲۔ فتنہ انکار حدیث، تالیف مفتی ولی حسن۔

۳۔ صرف ایک اسلام بجواب دو اسلام، تالیف مولانا محمد سرفراز خان صفدر۔

۴۔ حجیت حدیث، تالیف مولانا محمد اسماعیل سلفی۔

۵۔ انکار حدیث کے نتائج، مولانا سرفراز خان صفدر۔

۶۔ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، تالیف مفتی محمد عاشق الٰہی۔

۷۔ چراغ کی روشنی، مولانا سرفراز خان صفدر۔

۸۔ فتنہ انکار حدیث، علامہ حافظ محمد ایوب دہلویؒ۔

۹۔ اور مولانا سرفراز خان صفدر کی دیگر کتب مخفقہ راہ ہدایت، ضوء السراج فی تحقیق المعراج تنقید متین، باب جنت۔

۱۰۔ سنۃ خیر الانام تالیف جسٹس پیر کرم شاہ۔

اس فتوے پر پاکستان و ہندوستان، مصر و سعودیہ اور شام کے گیارہ سو ممتاز علماء و مشائخ عظام کے دستخط ثبت ہیں جن میں مکہ مکرمہ کے قاضی القضاۃ جناب یحیٰی امان الحنفی، فضیلۃ الشیخ جناب محمد العربی المالکی التبانی، شیخ سید علوی المالکی، شیخ حسن محمد مشاط المالکی، شیخ محمد نور سیف الحنفی، شیخ قاضی محمد بن علی الحرکان قاضی القضاۃ جدہ، شیخ عبدالرحمٰن الصنیع رئیس مکتبہ حرم مکہ، مدینہ منورہ کے استاد محمود الطرازی مدرس حرم نبوی، شیخ قاسم الاندجانی، شیخ محمد ابراہیم بن ملا سعد اللہ الحنفی المدنی، شیخ حامد الفرغانی اور شام کے مفتی محمد سعید محمد الحامد نائب صدر جمعیۃ العلماء رحمہم اللہ شامل ہیں۔

ایک دھوکہ

بعض اہلِ قرآن (منکرین حدیث) نے عام مسلمانوں کو لفظی ملمع سازی سے دھوکہ دینے کی کوشش کی اور کہا کہ ہم احادیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ ہے اور اپنے ماہنامہ رسالہ "طلوعِ اسلام" کے تقریباً ہر صفحہ پر حدیث لکھ کر یہ باور کرلتے ہیں کہ ہمارے ہاں تو احادیث کی بڑی قدر و قیمت ہے، چونکہ وہ تاریخی سرمایہ ہیں۔

قارئین! اگر آپ غور فرمائیں تو کیا اس ملمع سازی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں ہوتی! یہ کون سا مقام حضورؐ کو دیا جارہا ہے۔ اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ابنِ خلدونؒ، ابنِ جریرؒ، ابن کثیرؒ اور دیگر مورخین کے برابر ہے۔ اس سے پیغمبر تاریخی مباحث کا تختۂ مشق ہوگا۔ مغرب زدہ شکست خوردہ حضرات کی یہی ذہنیت ہوتی ہے۔ ایک شخص اپنے باپ کے متعلق کہتا ہے کہ میں اس کا بیٹا تو نہیں لیکن ویسے وہ شریف آدمی ہے اس شخص کے متعلق آپ کیا کہیں گے۔ یورپ کے اکثر بے دین آنحضرتؐ کو مقدس انسان سمجھتے ہیں لیکن پیغمبر نہیں سمجھتے بالکل یہی حیثیت اہلِ قرآن نے انبیاء کو عنایت کی ہے۔

شاید تھوڑی دیر کے لیے سنت کے ان حصوں پر جن میں تاریخی تذکرے موجود ہیں یہ لفظ گوارا کیا جاسکے لیکن "اوامر و نواہی"، "ترغیب و ترہیب"، زھد و ورع، اخلاق و عبادات اور اذکار و اَدعیہ پر تاریخ کا لفظ کیسے بولا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

شیعہ اثنا عشریہ

ضروریاتِ دین کی تفصیل جاننے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شیعہ اثنا عشریہ کے ائمہ و پیروکار کافر ہیں۔ چونکہ وہ توہین انبیاءؑ، توہین خلفاءؓ راشدین، تحریف قرآن، گستاخی صحابہ کرامؓ کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ یہ خرافات ان کے عقیدے کا حصہ ہیں "نقل کفر کفر نباشد" کے تحت ان کے ائمہ کی چند کفریہ کلمات درج کرتا ہوں تاکہ قارئین بھی غور کر کے صحیح فیصلہ کر سکیں۔ واللہ الموفق۔

شیعیت کیا ہے؟

خمینی لکھتا ہے "جو نبی بھی آتے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آتے، ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوتے یہاں تک کہ ختم المرسلینؐ جو انسان کی اصلاح کے لئے آتے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے لیکن وہ بھی اپنے زمانہ میں کامیاب نہیں ہوئے۔"[1]

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے۔

خمینی لکھتا ہے "از ضروریاتِ مذہب ما است کہ کسی بہ مقاماتِ معنوی ائمہ نمیرسد حتیٰ ملک مقرب و نبی مرسل۔"[2] یعنی خمینی کے نظریہ میں اماموں کا درجہ انبیاء کرام اور مقرب فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ معاذ اللہ۔

---

(۱) اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں ص ۱۵۔ ناشر خانہ فرہنگ ایران ملتان جنوری ۱۹۸۵ء

(۲) ولایت فقیہ (حکومت اسلامیہ) خمینی۔ ص ۵۷۔ انتشارات آزاد قم، ایران۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے "معلوم میشود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبر است"[1] یعنی امامت کا مرتبہ پیغمبریت کے مرتبہ سے بلند ہے معاذ اللہ۔

ملا باقر لکھتا ہے کہ "انصار و مہاجرین منافقین تھے"[2] معاذ اللہ۔

ملا باقر مجلسی ایک آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "و بنمایئم بفرعون وھامان یعنی ابابکر و عمر و لشکرھائ ایشان"[4] یعنی ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ معاذ اللہ فرعون و ہامان ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں "حضرت علی بن الحسین از آنحضرت پرسید کہ مرا بر تو حق خدمتی ہست مرا خبر دہ از حال ابوبکر و عمر، حضرت فرمود ہر دو کافر بودند و ہر کہ ایشا نرا دوست دارد کافر است"[4] اس میں حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دیا ہے۔

علامہ باقر مجلسی ہی پانچ صحابہ کرام جن میں دو خلیفہ بھی شامل ہیں ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ اس زمانہ کے دجال تھے۔ معاذ اللہ۔ لکھتا ہے "اما اواین امت پس دجال است و پنج نفر کہ نامہ نوشتند و بایکدیگر پیمان کردند کہ نگذارند کہ خلافت بوصی من قرار گیرد یعنی ابابکر و عمر و ابو عبیدۃ الجراح و سالم مولای حذیفہ و سعد بن العاص"[5]

علامہ طبرسی قرآن کریم کی تحریف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "روی عن کثیر من قدماء الروافض ان ھذا القران الذی عندنا لیس ھو الذی انزل اللہ علی محمد بل غیر و بدل و زید فیہ

---

[1] حیات القلوب، ملا باقر مجلسی۔ ج ۳ ص ۲۔ انتشارات قائم تہران۔
[2] جلاء العیون، ملا باقر مجلسی۔ ترجمہ علامہ عبد الحسین ص ۸۷، نظر ثانی ظہور الحسین خطیب شیعہ ملتان، انصاف پریس ریلوے روڈ لاہور
[3] حق الیقین، ملا باقر مجلسی ص ۳۴۲۔ انتشارات علمیہ اسلامیہ بازار شیرازی جنب نور دزخان۔
[4] " " " " " " ۵۲۲ " " " " ایران
[5] جلاء العیون ملا باقر مجلسی ص ۱۴۷۔ موسسہ انتشارات قائم تہران۔

ونقص عنہ[1] یعنی موجودہ قرآن کریم مکمل تحریف شدہ ہے۔ معاذاللہ۔

یہ ہیں ان کے امام اور ان کا عقیدہ۔

انہی عقائد کفریہ کی بنا پر ہندو پاک کے تمام بڑے بڑے دینی مدارس و جامعات کی طرف سے ان پر کفر کے فتوے لگ چکے ہیں۔

مقام انبیاء وصحابہ کرام قرآن وسنت کی روشنی میں

آیئے اب قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ انبیاء کرامؑ وصحابہ کرامؓ کی کیا شان بیان کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ[2]" ہر پیغمبر کی اطاعت بامر الٰہی فرض ہے۔ اگر پیغمبر اپنے مشن میں (معاذاللہ) ناکام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کو ہرگز لازم قرار نہ دیتے۔ اسی طرح سرورِ دو عالمؐ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں: ۔

"وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین[3]" "محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم[4]" "ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقا[5]" "وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً[6]" "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا[7]" ان ساری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت دین اسلام

---

[1] فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب ص ۴۸ ۔ حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی۔
[2] سورہ نساء ۔ [3] سورہ انبیاء ۔ [4] سورہ فتح آیت ۲۹ ۔ [5] سورہ سبا آیت ۲۸
[6] سورہ مائدہ آیت ۳ ۔ [7] سورہ توبہ آیت ۱۰۰ ۔

مکمل ہوچکا تھا اور یہ کہ آپؐ کی رسالت بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے ہے چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔

صحابہ کرام خصوصاً انصار و مہاجرین کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

" والسابقون الأولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" اس آیت میں مہاجرین و انصار سمیت تمام مومنین مخلصین کا بمع درجات فضیلت بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، لہٰذا تمام صحابہ کرامؓ کا مقام جنت کے محلات ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے " لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فأنزل السکینۃ علیھم وأثابھم فتحاً قریباً"[1]

اس آیت میں بیعت رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرام سے رضامندی کا اعلان کیا گیا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے " رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ"[2] اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہیں اور صحابہ کرام اللہ سے راضی ہیں۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے " عن ابی سعیدؓ قال، قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لا تسبّوا أصحابی فلو ان أحدکم أنفق مثل أحد ذھباً لم یبلغ مدّ أحدھم ولا نصیفہ"۔ رواہ البخاری ومسلم۔

اس حدیث میں صحابۂ کرام کے بارے میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات و احادیث ہیں جن میں واضح طور پر صحابہ کرام سے

---

[1] سورہ فتح آیت نمبر ۱۸۔ [2] سورہ بینہ آیت نمبر ۸۔

رضامندی کا اعلان کیا گیا ہے اور انہیں برا بھلا کہنے سے سخت ممانعت کی گئی ہے ۔

تیسرا عقیدۂ کفریہ جو انتہائی خطرناک ہے وہ تحریف قرآن کا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں یہ ارشاد ہے : " إنا نحن نزّلنا الذکر و إنا له لحافظون " بے شک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ۔ یہ آیت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ قرآن میں تحریف کے خلاف ہر طرح کے استدلال سے مستغنی کر دیتا ہے ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک الفاظ میں یہ وعدہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اضافہ ، تحریف اور دیگر ہر قسم کی غیر سنجیدہ حرکت سے محفوظ رکھے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی اسلامی فرقہ قرآن کریم میں تحریف کا قائل نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو دینِ اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

علامہ کشمیریؒ کی تالیفات

علامہ کشمیریؒ مسائل کے حل میں زیادہ تر اختصار سے کام لیتے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ موضوع سے متعلق تمام آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ اختصار سے پیش کر دی جائیں، لیکن یہ اختصار مسئلہ سمجھنے میں مخل نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے علامہ محمد یوسف بنوریؒ "مشکلات القرآن" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں" انه کان قوی الحافظة سریع الانتقال وفی تالیفه کان مولعًا بالإیجاز والاختصار"[1]

اور نفحۃ العنبر میں انہوں نے لکھا ہے،" کان ینفذ وسعه فی حل المشکلات التی لم تنحل عن أکابر المحققین"[2]

مطالعہ میں آپ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جتنی کتابیں بھی میسر ہوتیں، ان کا پورا مطالعہ فرماتے۔ دو کتابوں کے سوا آپؒ کی تمام مؤلفات عربی میں ہیں۔ مختصراً ان کتابوں کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ فیض الباری علی صحیح البخاری:

مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے درسِ صحیح بخاری کے دوران حضرت شیخؒ کے ملفوظات کو قلمبند کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے "فیض الباری" کے

---

[1] مشکلات القرآن محمد انور شاہ کشمیری، ص ۸۳، مقدمہ انوار الباری ج ۲، ص ۲۴۷۔
[2] نفحۃ العنبر ص ۱۰۵، مقدمہ انوار الباری ج ۲، ص ۲۴۷۔

نام سے ان ملفوظات کو مجلس علمی ہندوستان سے پہلی بار طبع کرایا۔ اس کے بعد حضرت بنوریؒ نے مجلس علمی کراچی کے زیرِ نگرانی قاہرہ سے یہ شرح طبع کرائی۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ یہ شرح پاکستان کے دینی مدارس میں نہایت مقبول ہے۔ افادیت کے پیشِ نظر بلوچستان کے ایک مکتبہ نے بھی اس کی طباعت ہوچکی ہے۔

اس شرح میں کچھ ایسی باتیں علامہ کشمیری کی طرف منسوب کی گئیں جو کہ علامہ کشمیریؒ کے تشریح کا صحیح مقصد نہ سمجھتے ہوتے قلمبند ہوگئی تھیں۔ مولانا بدر عالمؒ نے علم ہوجانے کے بعد مراجعت کرکے تصحیح فرمانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن موقع نہیں ملا۔ پھر حضرت بنوریؒ کا تصحیح کرنے کا ارادہ تھا۔ انہیں بھی موت نے جلد آغوش میں لے کر اس سے محروم کردیا، لیکن ان اخطار و اغلاط سے حضرت شیخؒ کا دامن پاک ہے۔ مجموعی طور پر اس شرح کی جو خصوصیات ہیں وہ دوسری شرح میں نہیں جن کا بیان ہوچکا ہے۔

۲- العرف الشذی علی جامع الترمذی

یہ وہ مجموعہ ہے جسے مولانا محمد چراغ رحمہ اللہ نے آپ کے دروس ترمذی کو ترتیب دے کر پیش کیا ہے، اس مجموعہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ کشمیری کا ایجاز فی البیان مشہور ہے یہ اس کی مکمل عکاسی کرتا ہے چونکہ مسائل مختلفہ میں دلائل حنفیہ کا ذکر اور دوسرے مذاہب کے دلائل کا بغور جائزہ لے کر اکثر مقامات پر دلائل حنفیہ کو اس انداز میں ترجیح دی ہے کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ مجموعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند سے ایک جلد میں طبع ہوچکا ہے، مدرسین جامع ترمذی اس مجموعہ سے پورا پورا استفادہ کررہے ہیں۔

۳۔ مشکلات القرآن

اس کتاب میں قرآن کریم کے آیات کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس کے شروع میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے "یتیمۃ البیان" کے نام سے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جو کہ تقریباً ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے طبع ہوئی۔ مکمل صفحات ۲۷۸ ہیں۔

۴۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے متعلق ہے۔ اس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے علاوہ آثار صحابہؓ سے بھی حضرت عیسیٰؑ کی حیات ثابت کی گئی ہے۔ قادیانیت کے عقیدہ وفات عیسیٰؑ کی تردید میں یہ کتاب بے مثال ہے۔ مجلس علمی کراچی نے ۱۹۶۰ء میں اس کو طبع کیا ہے۔

۵۔ تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰؑ

اصل میں یہ کتاب "عقیدۃ الاسلام" پر علامہ کشمیریؒ کی وہ تعلیقات ہیں جو کہ آپؒ نے جامعہ ڈابھیل میں تحریر فرمائی۔ لیکن افادیت کے پیش نظر مجلس علمی ڈابھیل نے انہیں علیحدہ کتاب کی شکل میں طبع کرایا اور ۱۹۶۰ء میں مجلس علمی کراچی نے کتاب عقیدۃ الاسلام کے ساتھ حاشیہ کی صورت میں طبع کرایا ہے۔

۶۔ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین

یہ کتاب آپؒ نے قادیانی عزائم اور فرق باطلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے

تحریر فرمائی ہے۔ اس میں آپؒ نے ضروریاتِ دین کے منکر کو دلائلِ قطعیہ سے کافر ثابت کر کے قادیانیت کی تمام فریب کاریوں سے پردہ اٹھایا ہے۔

کتاب کے شروع میں علامہ بنوریؒ نے ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں علامہ کشمیریؒ کی سوانحِ حیات اور قادیانیت کے خلاف ان کی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کو مجلسِ علمی کراچی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا ہے۔

۷۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح

آپؒ نے یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق دیوبند میں تحریر فرمائی ہے۔ اس میں تقریباً ۷۵ احادیث مرفوعہ وموقوفہ کے علاوہ ۲۵ آثار صحابہ سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات کیا گیا ہے۔ آپؒ نے اس کتاب میں بہت سی احادیث کو جمع کیا ہے، جبکہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ "التوضیح فیما تواتر فی المنتظر المھدی والمسیح" میں صرف ۲۹ احادیث جمع کی ہیں۔[1]

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ نے اس کتاب کی ترتیب کے دوران "تتمہ واستدراک" کے طور پر دس احادیث مرفوعہ کا اضافہ کیا ہے جو اصل کتاب میں نہ تھیں لیکن ان کا تعلق نزول عیسیٰ علیہ السلام سے تھا۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے اس کتاب کی تحقیق کے دوران کچھ تعلیقات لکھی ہیں جو بیروت سے ۱۳۸۵ھ میں اس کتاب کے ذیل میں طبع ہوئی ہیں۔ ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم کراچی سے اس کا اردو ترجمہ "علاماتِ قیامت اور نزول مسیح" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] نقشِ دوام ص ۳۱۷، نفحۃ العنبر ص ۱۱۷۔

۸- کتاب فی الذب عن قرة العینین

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے افضلیت شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ ایک شیعہ نے حضرات شیخین کی مفضولیت ثابت کرنے کے لئے شاہ ولی اللہ کے رد میں ایک کتاب لکھی۔ آپؒ نے یہ کتاب اس شیعہ کے جواب میں لکھی جس میں شیعہ دلائل کو یکسر باطل ثابت کرتے ہوئے افضلیت شیخین کو اجاگر کیا۔
یہ کتاب ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن نایاب ہونے کی وجہ سے بندہ کو اس کا کوئی نسخہ میسر نہیں آیا۔

۹- نیل الفرقدین فی مسئلة رفع الیدین

آپؒ نے یہ رسالہ جامعہ ڈابھیل میں قیام کے دوران تالیف فرمایا، جس میں رفع یدین کے متعلق مذاہب اربعہ کی آراء اور دلائل نقل کر کے ان کے درمیان موازنہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اختلاف صرف افضلیت و اولویت میں ہے جواز وعدم جواز میں نہیں، چونکہ دونوں (رفع یدین وعدم رفع) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور صحابہ کرامؓ وتابعین کے دور میں دونوں پر عمل کیا جاتا رہا، لہٰذا رفع وعدم رفع میں اختیار ہے۔
اس کتاب کو ۱۴۵ صفحات میں مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۰ھ میں شائع کیا ہے۔

۱۰- بسط الیدین لنیل الفرقدین

اس رسالہ میں نیل الفرقدین پر حضرت شاہ صاحب کی مفید تعلیقات ہیں

جو کہ کتاب نیل الفرقدین کے حاشیہ پر مطبوع ہیں۔ اور علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۱ھ میں اسی نام سے شائع کی ہیں۔

۱۱۔ فصل الخطاب فی مسئلة أم الکتاب

آپؒ نے یہ رسالہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں تحریر فرمایا۔ اس میں مذاہب اربعہ کی آراء اور دلائل کا ذکر کر کے دلائل حنفیہ کو مختلف وجوہ ترجیح سے راجح قرار دیا۔ آپؒ نے حنفیہ کا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لئے یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس رسالے کے اخیر میں آپؒ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں " فاعلم انی ما کتبت هذه السطور بقصد الرد علی الشافعیة وانما کتبتها لیعرف وجهة الحنفیة فی اختیار الترک[1]

اس رسالہ کو ۱۰۶ صفحات میں مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۴۹ھ میں طبع کیا ہے۔

۱۲۔ کشف الستر عن صلاة الوتر

آپؒ نے یہ رسالہ ڈابھیل میں تحریر فرمایا جس میں صلاۃ الوتر کی حقیقت، مذاہب ائمہ اور اختلاف کی وجوہات تحریر کر کے دلائل حنفیہ کو راجح قرار دیا ہے۔ اس رسالہ میں حضرت نے بعض تعلیقات مفیدہ کا اضافہ بھی کیا ہے، جو کتاب کے حاشیہ پر طبع ہیں۔ یہ رسالہ ۹۸ صفحات میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے ۱۳۵۳ھ میں طبع ہوا۔

۱۳۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم

آپؒ نے یہ رسالہ منظومہ دار العلوم دیوبند میں قیام کے دوران دھریت کی تردید میں تالیف فرمایا ہے، جس میں دنیا کے فانی ہونے، اللہ کے وجود ازلی و ابدی اور

---

[1] نفحة العنبر ص ۱۱۲۔

اس کے علم محیط کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس میں چار سو اشعار ہیں۔ یہ رسالہ ہندوستان میں پہلی مرتبہ ۱۳۴۵ھ میں اور دوسری مرتبہ مجلس علمی پاکستان کے زیر نگرانی ۱۳۸۲ھ میں طبع ہوا ہے۔

۱۴۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم

یہ رسالہ بھی حدوث عالم کے متعلق ہے۔ اس میں علامہ کشمیریؒ نے حدوث عالم پر اعتراضات کے جواب دے کر بعض عمدہ افکار بھی تحریر کئے ہیں، گویا یہ ضرب الخاتم کی شرح ہے۔ اس رسالے کے ۶۲ صفحات ہیں۔

اگرچہ اس کے صفحات کم ہیں لیکن جب یہ رسالہ "شیخ مصطفی اصبریؒ"[1] متکلم مصر نے دیکھا اور مطالعہ کیا تو فرمایا "لقد تحیرت من دقۃ نظر صاحبھا وثلج صدرہ بھٰذہ العلوم، وکان لی رأئی فی مسئلۃ علم الکلام، ظننت أنی لم أسبق إلیہ، فرأیت أن الشیخ قد سبقنی إلی مثلھا"[2]

علامہ محمد زاہد الکوثری نے لکھا ہے "لم یکتب کتاب الجامع علی ھذا الموضوع فی رأیی مثل ھذہ الرسالۃ"۔[3]

مجلس علمی نے اسے ۱۳۵۱ھ میں طبع کرایا ہے۔

۱۵۔ خزائن الاسرار

اس کتاب میں علامہ صاحب نے امام محمد بن موسیٰ دمیریؒ (متوفی ۸۰۸ھ) کی کتاب

---

[1] شیخ مصطفی اصبری اناضول میں ۱۲۸۶ھ کو پیدا ہوئے اور مصر کی طرف ۱۳۴۲ھ میں ہجرت فرمائی یہی آپ کے متکلم مصر کہلانے کا سبب بنا۔ آپ کی اہم تولفات درج ذیل ہیں۔ (۱) موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمین وعبادۃ المرسلین، چار جلد۔ (۲) موقف البشر تحت سلطان القدر، الاعلام ج ۷، ص ۲۴۴۔

[2] نفحۃ العنبر ص ۱۲۶، نقش دوام ص ۲۲۴، الانور ص ۲۴۴ [3] الانور، ص ۱۴۴۔

"حیاۃ الحیوان" سے بعض فوائد مہمہ جمع فرمائے ہیں، جس میں اذکار و بعض ادعیہ مأثورہ کے ساتھ ساتھ بعض علماء کی علمی تحقیقات بھی شامل ہیں۔ مجلس علمی ڈابھیل نے اسے ۱۰۰ صفحات میں ۱۳۵۵ھ میں طبع کرایا ہے۔

۱۶۔ سہم الغیب فی کبد اھل الریب

دہلی میں عبد المجید نامی ایک شخص کی طرف سے ایک رسالہ تالیف کیا گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ثابت کرنے کے ساتھ علماء دیوبند اور دار العلوم دیوبند پر طعن و تشنیع بھی شامل تھی۔ علامہ کشمیری نے اس کے رد میں یہ رسالہ تالیف کیا، ادھر اُسے مناظرے کی چیلنج دی۔ چونکہ عبد المجید نامی کوئی عالم اس وقت نہیں تھا، اس لئے چیلنج قبول نہ کیا گیا اور جس نے یہ رسالہ تالیف کیا تھا، اس نے اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا۔[1]

۱۷۔ فلسفۃ الازدواج

آپ نے یہ کتاب حقوقِ زوجین کے متعلق تالیف فرمائی ہے، جس میں احادیثِ نبویہ کی روشنی میں اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی اور حضورؐ کی تعداد ازدواج کی حکمتیں بیان کر کے معترضین کے اعتراضات کے شافی جوابات دیئے ہیں۔ یہ کتاب اُردو میں ہے اور اس کے ۲۰۸ صفحات ہیں۔ مکتبہ انصاریہ پشاور نے اسے ۱۳۶۰ھ میں طبع کرایا ہے۔

۱۸۔ خاتمۃ الکتاب فی قراءۃ فاتحۃ الکتاب

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جسے آپ نے قراءۃ خلف الامام کے متعلق صرف دو دنوں

---

[1] بندہ نے حتی المقدور اس رسالے کا نسخہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

میں تالیف کیا۔ اس میں مذاہب اربعہ کے اقوال و دلائل تحریر کر کے مذہب حنفیہ کو دلائل سے ترجیح دی ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۰ھ میں اسے طبع کرایا ہے۔

۱۹۔ خاتم النبیّین

آپؒ نے یہ رسالہ فارسی میں تالیف کیا ہے، جس میں مسئلہ ختم نبوت کو دلائل سے ثابت کر کے قادیانیت کی پُرفریب تحریروں سے پردہ اٹھایا ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے اس رسالے کا مقدمہ لکھا ہے۔ اس کے ۹۶ صفحات ہیں۔ علّامہ کشمیریؒ کی یہ آخری تالیف ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۷۸ھ میں اسے طبع کرایا۔

۲۰۔ الاتحاف لمذہب الاحناف

یہ وہ تعلیقات ہیں جو آپ نے علّامہ محمد ظہیر حسن نیموی کی کتاب "آثار السنن" پر تحریر فرمائی ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۷۹ھ میں یہ تعلیقات آثار السنن کے حاشیہ پر طبع کرائی ہیں۔ علّامہ محمد یوسف بنوریؒ نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں علامہ کشمیری کی سوانح حیات کا ذکر ہے۔

۲۱۔ النور الفائض علی نظم الفرائض

فارسی نظم کی صورت میں ۱۹۲ اشعار پر مشتمل یہ رسالہ علم میراث پر ہے۔ مولانا فخر الدین احمدؒ نے ۱۳۵۵ھ میں کچھ اضافوں کے ساتھ اسے طبع کرایا اور اس کا نام "النور الفائض علی نظم الفرائض" رکھا۔ یہ رسالہ نایاب ہے۔ (مؤلف)

۲۲۔ انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد

یہ سنن ابی داؤد کے درس کی املائی شرح و تقریر ہے۔ اس میں حضرت شاہ صاحبؒ

کے درس ابی داؤد کے افادات کو کافی ضبط و اتقان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

۲۳۔ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری

سید احمد رضا بجنوریؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی املائی تقریروں کو یکجا کر کے افادہ عام کی غرض سے اسے طبع کرایا ہے۔ یہ شرح اردو دان طبقے میں نہایت مقبول ہے۔

۲۴۔ خلاصہ تقاریر حضرۃ العلامہ الکشمیری

یہ رسالہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرسی کے زمانہ میں کشمیر "سرینگر" میں فرمائی تھیں اور بعد میں مرتب ہوئیں۔ یہ تقاریر قرأۃ خلف الامام، مسئلہ آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ رسالہ اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سے طبع ہوا تھا لیکن اب نایاب ہے۔

۲۵۔ دعوت حفظ ایمان

اردو زبان میں یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے، اس کے ایک حصہ میں مسئلہ ختم نبوت، فتنہ قادیانیت اور اس کی مذمت کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر ہے جو آپ نے ۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو انجمن امداد الاسلام دیوبند کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں فرمائی تھی۔ یہ حصہ اتحاد برقی پریس کانپور سے ۱۳۵۱ھ میں طبع ہوا۔

دوسرے جزء میں ادیان سماوی، صابئین، ختم نبوت، زندقہ و الحاد، کفر و ایمان کی حقیقت جیسے اہم موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ رسالہ مدینہ پریس بجنور سے ۱۳۵۱ھ میں طبع ہوا لیکن یہ دونوں اجزاء اب نایاب ہیں۔

آپ کی چند غیر مطبوعہ مؤلفات درج ذیل ہیں

۱۔ رسالۃ فی مسئلۃ الھندسۃ والمناظرۃ۔ (۲) رسالۃ فی حقیقۃ العلم (۳) رسالۃ فی مسئلۃ الذبیحۃ لغیر اللہ۔ (۴) رسالۃ فی مسئلۃ صلاۃ الجمعۃ (۵) رسالۃ فی مسئلۃ یا شیخ عبد القادر الجیلانی شیئاً للہ۔ (۶) المقامات الادبیۃ علی نہج المقامات الحریریۃ۔ (۷) رسالۃ فی علم المعانی مما استدرک علی کتاب "مفتاح العلوم" للشیخ السکاکی۔[1]

غیر مطبوعہ تعلیقات و حواشی

۱۔ محقق ابن ہمام کی کتاب "فتح القدیر" پر تعلیقات، جو کہ شروع کتاب سے لے کر کتاب الحج تک ہیں۔

۲۔ علامہ ابن نجیم کی کتاب "الاشباہ والنظائر" پر تعلیقات و حواشی۔

۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب "الاشباہ والنظائر" پر تعلیقات۔

ان تعلیقات و مخطوطات کا ذکر "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" اور کتاب "اللغۃ العربیۃ فی باکستان" میں ہے۔ بندہ کو ان کا کوئی نسخہ میسر نہیں ہوا۔[2]

---

[1] مفتاح العلوم، یوسف بن ابی بکر محمد بن علی السکاکی، مطبعۃ البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۶ھ۔
[2] التصریح ص ۱۴، اللغۃ العربیۃ فی باکستان ص ۷۷۔

ملفوظاتِ انور

فرمایا کرتے تھے کہ " فقہ لبّ الدین ہے کہ قرآن مجید، حدیث و آثار صحابہ و تابعین کا عطر کشید ہو کر فقہ میں آگیا ہے اور یہی ترتیب ہے کہ قرآن و حدیث سے فقہ کی طرف آنا چاہیئے اور جو لوگ اپنے ذہن میں ایک مسئلہ طے کر کے پھر اسی کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ وہ فقہ سے قرآن و حدیث کی طرف چلنا چاہتے ہیں۔

فقہ حنفی کی ترجیح کے بارے میں فرمایا " چالیس سالہ درس و مطالعۂ حدیث کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ فقہ حنفی ہی اوفق بالحدیث ہے بجز چند معدود مسائل کے کہ ان میں کچھ کمزوری پاتا ہوں"۔

فقہی مسائل کے بارے میں فرمایا کہ " میں اس قول کو زیادہ وزنی اور قابلِ ترجیح سمجھتا ہوں جو از روئے دلائل زیادہ قوی ہو یا جس کے اختیار کرنے میں دوسرے ائمہ مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہو جاتا ہو"۔

فرماتے کہ " مقاماتِ حریری " جیسی عبارت ایک گھنٹے میں چار ورق برجستہ لکھ سکتا ہوں لیکن " ھدایہ " جیسی عبارت چار مہینوں میں بھی چار سطر نہیں لکھ سکتا"۔

فرمایا " میں تاویل نہیں کرتا بلکہ توجیہ یا تطبیق کرتا ہوں یعنی روایت کے تمام الفاظ جو مختلف انداز میں ذخیرۂ احادیث میں وارد ہوتے ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر ایک معنی متعین کرتا ہوں اور جس جملہ کا جو حقیقی محل ہے اس پر منطبق کرتا ہوں"۔

فرمایا: "حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ میں نے ان کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو۔ حضرت کو فقیہ فی النفس کا رتبہ حاصل تھا۔

فقہ حنفی میں اپنی تیس سالہ محنت و تحقیق اور اس کے نتیجہ میں اپنے اطمینان کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کرتے تھے "لیکن اب مجھے افسوس ہے! کاش میرا یہ وقت دین کے اس سے زیادہ اہم اور زیادہ ضروری کام میں صرف ہوا ہوتا تو آخرت میں اس کے کام آنے کی زیادہ امید کر سکتا تھا۔"

کتاب "خاتم النبیین" کے بارے میں مرض وفات میں رو رو کر فرمایا "ہم نے عمر ضائع کی اور کوئی کام آخرت کے لئے نہ کیا۔ یہ رسالہ خاتم النبیین اس لعین قادیانی کے رد میں لکھا ہے، توقع ہے کہ شاید یہ رسالہ میری نجات کا ذریعہ ہو جائے۔"

مولانا ظفر علی خان مرحوم نے لاہور میں ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی موجودگی میں جواز سود کے بارے میں اقتصادی دلائل سے بھری ہوئی ایک تقریر کی۔ جواب میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "بھائی جہنم میں جس نے جانا ہو وہ خود جائے ہماری گردن کو پل نہ بنائے کہ اس سے گزر کر پہنچے۔"

تحدیث نعمت کے طور پر حدیث میں غور و فکر کے بارے میں فرمایا "میں نے غور و فکر کے ساتھ صحیح بخاری کے صرف متن کا تیرہ دفعہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ شرح یا حواشی کے ساتھ جو مطالعہ کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔"

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ سے ایک مرتبہ فرمانے لگے "بھائی میں نے کبھی پیشن گوئی نہیں کی۔ اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں، عرض کر ہی دیتا ہوں۔ ایک

یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی۔ دوم یہ کہ ہندوستان (اب) ضرور آزاد ہوگا اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔"

اگر کوئی شخص کسی کی برائی یا فضول بات شروع کرتا تو فوراً فرماتے "بھائی ہمیں اس کی فرصت نہیں ہے، کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو پوچھو ورنہ جاؤ۔"

سب سے زیادہ حضرت شاہ صاحبؒ سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے علمی استفادہ کیا۔ ایک مجلس میں مولانا مفتی محمود احمد نانوتویؒ سے فرمایا "میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ مولانا شبیر احمد صاحب کو علم حدیث سے مناسبت ہوگئی ہے۔"

مقدمہ بہاولپور میں شہادت کے موقع پر حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں ایک مولوی صاحب نے ان کی شان میں تعریفی کلمات کہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فوراً کھڑے ہوگئے اور فرمایا "ان صاحب نے غلط کہا ہے، ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی کہ ہم سے گلی کا کتا ہی اچھا ہے ہم اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔"

ایک موقع پر فرمایا کہ "دین کی خدمت اور دین سے دفاع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اردو میں مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ میں اس بارے میں آپ صاحبوں کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں۔"

قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے بارے میں فرمایا "میں رمضان المبارک میں قرآن مجید شروع کرتا ہوں اور پورے تدبر و تفکر کے ساتھ اسے پورا کرنا

چاہتا ہوں لیکن کبھی پورا نہیں ہوتا، جب دیکھتا ہوں کہ آج رمضان المبارک ختم ہونے والا ہے تو پھر اپنے خاص طرز کو چھوڑ کر جو کچھ باقی ہوتا ہے اس دن ختم کر کے دور پورا کر لیتا ہوں

فرمایا۔ مولانا حسین علی نقشبندی مجددیؒ اور مولانا احمد خان نقشبندی مجددی عصرِ حاضر میں نقشبندی سلوک کے امام ہیں"۔

" اپنے تلامذہ کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اپنے وطن جا کر تفسیر قرآن مجید کا درس ضرور دیں تاکہ عوام و خواص اور خاص کر نو تعلیم یافتہ حضرات علماء سے وابستہ ہوں اور ان میں دینی شعور و احساس اجاگر ہو اور وہ اسلامی تعلیمات سے واقف ہو کر علماء کے دوش بدوش ملکی و مذہبی خدمات انجام دیں"۔

فرمایا " یہ جو حدیث میں آیا ہے " انما اراکم من وراء ظهری" یہ دیکھنا بطور معجزہ تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے ایسا ہی ثابت ہے اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء بدن میں ہے"۔

فرمایا " جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔ ڈاکٹر صاحب علوم قرآن و حدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور انہوں نے مولانا میر حسن سیالکوٹی سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

سلوک و تصوف کے سلسلے میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا " اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے لیکن یہ بھی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت

اور شریعت و سنت پر استقامت ہے۔

مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی وغیرہ پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو پسماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا۔ غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ "زندگی میں نبی کریمؐ کی احادیث کو پڑھا کر پیٹ پالا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی میری حدیث کی خدمت بکتی رہے؟"

آزادی وطن اور آزادیٔ ہندوستان کے متعلق لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا "کچھ کر لو، یہ وقت بار بار نہیں آتا۔ میں علماء سے کہہ رہا ہوں کہ تم کو تو روٹی بھی دین کے نام پر مل رہی ہے، دین کے لئے تم بھی کچھ کر لو۔ میں اس قدر ضعیف ہو گیا ہوں کہ اب ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا ہے لیکن اس ضعف و ناتوانی کے باوجود میں جیل جانے کے لئے تیار ہوں"۔

اگر آدمی صحیح بصیرت کے ساتھ احادیث میں غور و فکر کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر احادیث قرآن کے اجمال کا بیان اور اس کے اشارات کی توضیحات ہیں بلکہ کثرت سے ایسی احادیث ہیں جن میں تعبیراتِ قرآنی کے لطیف اشارے ملتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کے لئے علامہ سیوطی کی "درِ منثور" بہت مفید کتاب ہے۔

فرمایا، علم سے صرف معاش کا کام لینا اور اسی مقصد کے لئے حاصل کرنا ایک بدترین مصیبت ہے، ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بازار سے ایک قیمتی شال لے آئے تاکہ اس سے اپنے جوتے صاف کرے۔

فرمایا "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللّٰه" کے وقت انگوٹھا چومنا بے اصل

ہے۔ سوائے ایک اثر کے جسے حضرت ابو بکرؓ سے مُلا علی قاریؒ نے موضوعات میں ذکر کیا ہے چونکہ وہ منکر وضعیف ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں۔

فرمایا "حکومت کشمیر کو پھر بحیثیت رعیت ہونے کے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ کل عالم اسلام مصر، شام، عرب، عراق، ہندوستان، کابل وغیرہ قادیانیوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کی بھرتی سکولوں، محکموں میں مسلمانوں پر احسان نہیں بلکہ ہمیشہ موجب تصادم وخلل امن رہے گی۔ اہلِ کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر اور "الفضل" ربوہ سے جاری ہوا ہے وہ قادیانی عقائد یعنی کفر کی تخم ریزی ہے، عنقریب شاخ و برگ دکھلائے گا۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کفر نہ خریدیں۔"

ایک مرتبہ نظام خسروی اور حضرت شاہ صاحبؒ کی دہلی میں ملاقات ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے ایک ہفتہ وار اخبار "مہاجر" کے ایڈیٹر نے ملاقات کی خبر چھاپنے کا ارادہ کیا تو ایڈیٹر نے "بارگاہ خسروی میں حضرت علامہ کشمیریؒ کی باریابی" کی عبارت بطور عنوان خبر لکھی۔ اخبار چھپنے سے پہلے حضرت کشمیریؒ کو اس عنوان کی اطلاع ہوگئی تو حد درجہ برہم اور خفا ہوئے اور فرمایا "میں ہر چند ایک مرد بے مایہ و بے بضاعت ہوں لیکن اتنا منکسر المزاج بھی نہیں کہ یہ عنوان گوارہ کر لوں کیسی بارگاہ خسروی اور کیسی اس میں باریابی"۔ صاف لکھتے "نظام اور انور شاہ کی ملاقات"۔

ایک مرتبہ دہلی میں قادیانیوں کا تین روزہ جلسہ ہوا لیکن علماء اسلام میں سے کسی نے نہ تو انہیں چیلنج کیا اور نہ تقریری یا تحریری طور پر مسلمانوں کو اس فتنہ

سے خبردار کیا۔ علامہ کشمیری کو جب یہ معلوم ہوا، تو افسوس سے کہنے لگے "بھائی! کسی شریف آدمی کی توہین گالی سننے سے ہی نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ کوئی اپنے مرتبہ سے گرا ہوا کام کرے تو اس سے بھی اس کی توہین ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ گالی وغیرہ سے"

ادب علم کے بارے میں فرمایا "میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں"

فرمایا کہ "میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا"

مولانا سراج احمد رشیدیؒ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "ایک شخص نے کعبۃ اللہ کے پردوں کو پکڑ کر دعا کی کہ خداوند تعالیٰ مجھے ابن حجرؒ کا سا علم حدیث عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی" مولانا رشیدی کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت یہ خیال کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کسی اور کا واقعہ نقل کر رہے ہیں، کچھ دیر بعد سمجھا کہ یہ واقعہ حضرت شاہؒ ہی کا ہے۔

حضرت کشمیریؒ کے حالاتِ زندگی پر تصنیف شدہ کتابوں کا تذکرہ :-

آپؒ کے حالاتِ زندگی پر کثیر تعداد میں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ سب کا احاطہ ایک مشکل امر ہے۔ میں اپنی ناقص تحریر میں بعض اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

۱۔ **الانور:** ہندوستان کی ایک اہم شخصیت عبدالرحمٰن کوندو کی تالیف ہے جو کہ ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں کافی طوالت سے کام لیا گیا ہے۔

۲۔ **نفحۃ العنبر:** علامہ بنوریؒ کی عربی زبان میں بے مثال تالیف ہے۔ عرب ممالک

ہیں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت کے تعارف کا سبب حقیقت میں یہی کتاب ہے۔

۳۔ **محمد انور اور ان کی علمی کمالات:** یہ اُردو میں پروفیسر محمد رضوان اللہ کی علی گڑھ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جو کہ تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ **سیرت انور:** علامہ مسعود احمد قاسمی کی تالیف ہے۔ اس میں علامہ کشمیریؒ کی سیرت و اخلاق کا پہلو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۵۔ **نقشِ دوام:** حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے سید انظر شاہ مسعودی کی تالیف ہے جو کہ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ **حیاتِ انور:** حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا سید ازہر شاہ قیصر کی تالیف ہے، اس میں علماء کرام کے مقالہ جات یکجا جمع کئے گئے ہیں۔

۷۔ **کمالاتِ انوری:** حضرت کشمیریؒ کے خصوصی شاگرد مولانا سید محمد انوری کی تالیف ہے اس میں زیادہ تر شاہ صاحبؒ کے علمی کمالات کو جمع کیا گیا ہے۔

۸۔ **نطقِ انور:** سید احمد رضا بجنوریؒ کی تصنیف ہے۔ اس میں حضرت بجنوریؒ نے اپنے خصوصی انداز میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حالاتِ زندگی قلمبند فرماتے ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ عربی اور اردو میں کثیر تعداد میں ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

○

کتابیات

۱۔ قرآن کریم

کتب حدیث

کتاب	مصنف
۲۔ صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
۳۔ صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری
۴۔ سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی
۵۔ سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث السجستانی
۶۔ سنن نسائی	عبد الرحمٰن النسائی
۷۔ سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی
۸۔ مؤطا امام محمد	امام محمد الشیبانی

شروح کتب حدیث

کتاب	مصنف
۹ التعلیق المغنی علی سنن دارقطنی	محمد شمس الحق عظیم آبادی
۱۰۔ اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانی
۱۱۔ شرح معانی الآثار	للامام الطحاوی
۱۲۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین عینی
۱۳۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی	علامہ انور شاہ کشمیری
۱۴۔ فیض الباری علی صحیح البخاری	علامہ انور شاہ کشمیری
۱۵۔ فتح الباری شرح صحیح للبخاری	حافظ ابن حجر عسقلانی

۱۶۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم	علامہ شبیر احمد عثمانی
۱۷۔ معارف السنن علی جامع الترمذی	علامہ محمد یوسف بنوری
۱۸۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح	علامہ انور شاہ کشمیری
۱۹۔ مفتاح کنوز السنۃ	ڈاکٹر۔ ای۔ فنسنک
۲۰۔ مقدمہ انوار الباری	مولانا احمد رضا بجنوری

کتب فقہ

۲۱۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق	علامہ ابن نجیم
۲۲۔ رد المحتار علی الدر المختار	علامہ ابن عابدین
۲۳۔ فتح القدیر شرح ھدایہ	علامہ ابن ھمام
۲۴۔ مفتاح العلوم	یوسف بن ابی بکر السکاکی
۲۵۔ نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین	انور شاہ کشمیری
۲۶۔ کشف الستر عن صلاۃ الوتر	انور شاہ کشمیری

سوانحی کتب

۲۷۔ انور شاہ کشمیری اور ان کی علمی کارنامے	ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ
۲۸۔ الانور	عبدالرحمٰن کوندو
۲۹۔ اسیر مالٹا	مولانا حسین احمد مدنی
۳۰۔ اقبالؒ اور علماء ہند و پاک	اعجاز الحق قدوسی
۳۱۔ اقبال اور کشمیر	محمد صابر آفاقی
۳۲۔ اکابر علماء دیوبند	قاری فیوض الرحمٰن

۳۳۔ اکابر علماء دیوبند — حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

۳۴۔ بیس بڑے مسلمان — عبدالرشید ارشد

۳۵۔ تحریک شیخ الہند — مولانا سید محمد میاں

۳۶۔ تحریک ریشمی رومال — مولانا حسین احمد مدنی

۳۷۔ تذکرہ علماء دیوبند — مولانا مفتی عزیز الرحمٰن

۳۸۔ تذکرہ شیخ الہند — مولانا محمد میاں

۳۹۔ حیات النور — مولانا محمد میاں

۴۰۔ حیات شیخ الہند — مولانا اصغر حسین

۴۱۔ حکیم الامۃ نقوش و تاثرات — مولانا عبدالماجد دریابادی

۴۲۔ نفحۃ العنبر — مولانا محمد یوسف بنوری

۴۳۔ علماء حق — مولانا محمد میاں

۴۴۔ نزھۃ الخواطر — مولانا عبدالحی الحسینی

۴۵۔ نقشِ دوام — مولانا انظر شاہ مسعودی

۴۶۔ نقشِ حیات — مولانا حسین احمد مدنی

مختلف موضوعات کی کتب

۴۷۔ الاعلام — خیر الدین زرکلی

۴۸۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ — ادارہ پنجاب لاہور

۴۹۔ رسالہ دارالعلوم دیوبند — دارالعلوم دیوبند

۵۰۔ اللغۃ العربیۃ فی باکستان — محمود محمد عبداللہ

۵۱۔	مشکلات القرآن	انور شاہ کشمیری
۵۲۔	معجم المؤلفین	عمر رضا کحالہ
۵۳۔	المقدمات البنوریہ	محمد حبیب اللہ المختار
۵۴۔	مقالات کوثری	محمد زاہد کوثری
۵۵۔	اکفار الملحدین	محمد انور شاہ کشمیری
۵۶۔	عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السّلام	محمد انور شاہ کشمیری
۵۷۔	فیصلہ مقدمہ بہاولپور	مولانا غلام محمد
۵۸۔	تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الھند	مسعود ندوی
۵۹۔	تاریخ دار العلوم دیوبند	قاری محمد طیب
۶۰۔	تاریخ دار العلوم دیوبند	محبوب احمد رضوی
۶۱۔	خطوطِ اقبال	رفیع الدین ہاشمی

○

اشاریہ

الف

(ب)

(ج)

(ح)